اسلامی احکام سے پہلوتہی کرنے والوں کے

حیلے اور بہانے

اسلامی احکام سے پہلوتہی اور ان میں سستی و بے عملی کرنے کے لیے لوگ جو حیلے بہانے تراشتے ہیں اور کمزور دلائل دیتے ہیں ان کے جواب میں مدلل کتاب جس میں بتایا ہے کہ یہ حیلے بہانے آخرت میں کام نہ آئیں گے۔ اس لیے ہر شخص اس کا مطالعہ کرکے اپنی زندگی کو اس آئینے میں دیکھے اور اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرے۔

تالیف

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۴۳-۱۴۲۲ھ ۱۹۲۳-۲۰۰۱ء

اسلامی احکام سے پہلوتہی کرنے والوں کے

حیلے اور بہانے

اسلامی احکام سے پہلوتہی اور ان میں سُستی و بے عملی کرنے کے لیے لوگ جو حیلے بہانے تراشتے ہیں اور کمزور دلائل دیتے ہیں اُن کے جواب میں مُدلّل کتاب جس میں بتایا ہے کہ یہ حیلے بہانے آخرت میں کام نہ آئیں گے۔ اس لیے ہر شخص اس کا مُطالعہ کرکے اپنی زندگی کو اس آئینہ میں دیکھے اور اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرے۔

تالیف

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بُلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

شعبہ نشرواشاعت
چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

www.maktaba-tul-bushra.com.pk

کتاب کا نام : حیلے اور بہانے

تألیف : حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات : ۱۰۴

قیمت برائے قارئین :

طباعت : ۱۴۳۲ھ ۲۰۱۱ء

ناشر : مکتبۃ البشریٰ

چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : +92-21- 37740738، +92-21-34541739

فیکس نمبر : +92-21- 34023113

ویب سائٹ : www.maktaba-tul-bushra.com.pk

www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : al-bushra@cyber.net.pk

ملنے کا پتہ : مکتبۃ البشریٰ، کراچی۔ پاکستان +92-321-2196170

دار الإخلاص، نزد قصہ خوانی بازار، پشاور۔ پاکستان +92-91-2567539

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ +92-91-2567539

مکتبۃ الحرمین، اردو بازار، لاہور۔ پاکستان +92-321-4399313

المصباح، ۱۶- اردو بازار، لاہور۔ +92-42-7124656, 7223210

بک لینڈ، سٹی پلازہ کالج روڈ، راولپنڈی۔ +92-51-5773341,5557926

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

فہرست مضامین

دیباچہ مصنف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الصَّادِقِ الْأَمِیْنِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ حُمَاۃِ الدِّیْنِ، وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

امابعد! اللہ ربّ العزت تعالیٰ شانہ نے اپنے آخری رسول سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دینِ اسلام اپنے بندوں تک پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی عقائد ومسائل نہایت تفصیل کے ساتھ بتائے، قولاً بھی بتایا اور عملاً بھی کرکے دکھایا۔ اسلام کا جو بھی عمل جس کسی سے متعلق ہے وہ اس پر عمل کرسکتا ہے، جو کام ہو ہی نہیں سکتا اور طاقت سے باہر ہو اس کی تکلیف نہیں دی گئی۔ اَحکام میں اس قدر رعایت رکھی گئی ہے کہ کسی بھی قسم کے کسی حیلہ اور بہانہ کی کسی کے لیے کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ہر مسلمان کو فرائض اور واجبات کا پابند ہونا لازم ہے، از دیادِ حَسَنات اور رفعِ درجات کے لیے سنن اور مستحبات پر بھی عمل کرنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔

فرائض وواجبات کی ادائیگی اور سنن اور مستحبات کے اہتمام کے ساتھ ہر قسم کے صغائر وکبائر (چھوٹے بڑے گناہوں) سے بچنا بھی لازم امر ہے، لیکن نفس اور شیطان انسان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ شیطان تو کھلا ہوا دشمن ہے، اسے یہ کہاں گوارا ہوسکتا ہے کہ انسان آخرت میں نجات پائے اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہو اور اس کے درجات بلند ہوں، وہ تو ہمیشہ انسان کی ریڑھ مارنے کی فکر میں رہتا ہی ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انسان کا نفس (جو اس کا ہر وقت کا ساتھی ہے اور جسے موت کے بعد کی تکلیفوں سے دوچار ہونا ہے، یا وہاں کی نعمتوں سے سرفراز ہونا ہے) وہ بھی آخرت کے کاموں میں سستی برتتا ہے اور موت کے بعد آرام ملنے کے لیے محنت کرنے سے گریز کرتا ہے جبکہ موت کے بعد اعمالِ صالحہ کا ثواب ملنے اور گناہوں پر سزا ہونے کا یقین بھی ہے۔ نفس اور شیطان دونوں انسان کو آخرت میں کام آنے والے اعمال سے روکتے ہیں اور طرح طرح کے حیلے اور بہانے سجھاتے ہیں، جو شخص اپنے ایمان کی مضبوطی سے ان حیلوں اور بہانوں کا دفاع نہیں کرتا اور عقل کو کام میں لاکر ان کو پس پشت نہیں ڈالتا وہ اپنی

آخرت کے نقصان اور خسران کا سامان کرتا ہے۔

ایک عرصہ سے خیال تھا کہ جن حیلوں اور بہانوں کو عموماً لوگ استعمال کرتے ہیں اور ان کو اپنی بے عملی اور بے راہی کی دلیل بنا کر زندگی گزارتے ہیں ان کی تردید میں ایک رسالہ لکھوں، جس میں یہ بتاؤں کہ شرعاً وعقلاً یہ حیلے آخرت کی جواب دہی سے نہیں بچا سکتے۔ ان ایام میں کچھ فرصت بھی ملی اور دل پر تقاضا بھی شدید ہوا، لہٰذا نورِ نظر لختِ جگر عزیزم حافظ عبداللہ تسنیم (عَلَّمَهُ اللّٰهَ عُلُوْمًا نَافِعًا) کو لے کر بیٹھ گیا۔ میں املا کراتا گیا اور عزیز موصوف لکھتے رہے، یہاں تک کے چند مجالس میں یہ رسالہ اختتام کو پہنچ گیا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ. رسالہ کا عربی نام دَفْعُ الْحِيَلِ وَرَفْعُ الْجَدَلِ عَنْ أَصْحَابِ الْكَسَلِ ، اور اردو نام ”اسلامی اَحکام سے پہلوتہی کرنے والوں کے حیلے اور بہانے“ تجویز کرتا ہوں۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ اسے غور سے پڑھیں، مجالس میں سنائیں، اور احقر کو اور عزیز موصوف کو اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

والتوفيق من الله الكبير، وهو على كل شيءٍ قدير وبالإجابة جدير.

(مولانا) محمد عاشق الٰہی بلندشہری
عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ وَعَافَاهُ

مدینہ منورہ
یکم رجب ۱۴۰۵ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

حَامِدًا وَّمُصَلِّیاً

بے عملی کے حیلے اور بہانے لوگوں میں بہت سے مشہور ہیں، جن کا اِحصَا و اِستِقصا بہت مشکل ہے، تاہم جو حیلے اور بہانے لوگوں سے سن کر ذہن میں آتے چلے گئے ان کو سپردِ قلم کردیا ہے، اور اندازہ ہے کہ عموماً بے عملی کے لیے جو حیلے تراشے جاتے ہیں وہ حیطۂ تحریر میں آگئے ہیں۔

وباللّٰہ التوفیق.

بے عملی کے لیے تقدیر کو بہانہ بنانے والوں کی تردید

۱۔ بہت سے لوگ بے عملی کے لیے تقدیر کو بہانہ بناتے ہیں۔ جب ان سے نماز، روزہ اور دیگر اَحکامِ اسلامیہ پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تقدیر میں جو ہونا ہے وہ ہوجائے گا، عمل سے کیا ہوتا ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اجی! ہماری تقدیر میں نماز پڑھنا یا اور کوئی نیک عمل کرنا لکھا ہی نہیں، اگر لکھا ہوتا تو ہم ضرور عمل کرتے۔

ان لوگوں کی یہ باتیں کئی اعتبار سے غلط ہیں:

اول: اس لیے کہ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے تقدیر پر ایمان لانے کو فرمایا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ تقدیر حق ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اَحکامِ شریعت کی پابندی کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو، اور جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کو کرتے رہو۔ اگر تقدیر پر ایمان لانے کا حکم اس لیے دیا جاتا کہ عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو حضورِ اقدس ﷺ عمل کرنے کا حکم کیوں فرماتے؟ اور تفصیل کے ساتھ اَحکامِ شریعت کیوں بتاتے؟ حضورِ اقدس ﷺ کے ارشاد سے تقدیر تو مان لی اور اَحکام پر عمل کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کو نہ مانا، یہ کون سی ایمان داری اور سمجھ داری ہے۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہ سوال اٹھایا تھا کہ تقدیر میں جب سب کچھ ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ بھی سوال کیا کہ ہم تقدیر پر بھروسہ کرکے کیوں نہ بیٹھ جائیں؟ حضورِ اقدس ﷺ نے جواب میں فرمایا:

اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ[۱]

عمل کرتے رہو، پس ہر شخص کے لیے اسی کی راہیں آسان ہوتی رہیں گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

تقدیر اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے اور اس نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ اَحکام پر عمل کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ تقدیر پر بھی ایمان رکھے اور عمل بھی کرے، تقدیر کو بہانہ بنا کر عمل نہ کرنا کٹ حجتی بھی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اعتراض بھی ہے۔ وہ تو فرما رہے ہیں کہ تقدیر پر ایمان لاؤ اور عمل بھی کرو، اور عمل سے جان چرانے والے بہانے باز یہ کہہ رہے ہیں کہ تقدیر ہوتے ہوئے عمل کی ضرورت نہیں، استغفر اللہ! یہ تو اللہ و رسول ﷺ کا جھٹلانا ہوا۔

دوم: تقدیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی وجہ سے کسی کا اختیار نہیں چھینا گیا، ہر شخص کو اختیار حاصل ہے نیکی بھی کرسکتا ہے گناہ بھی کرسکتا ہے، تقدیر کی وجہ سے اختیار سلب نہیں ہوا۔ آخرت کا عذاب وثواب اسی اختیار سے متعلق ہے، بندوں کو احکم الحاکمین کے حکم اور اس کے عطا کردہ اختیار پر نظر رکھنا لازم ہے۔ حکم کی خلاف ورزی بھی کرے اور تقدیر کو بہانہ بنا کر اپنے کو بے قصور بھی سمجھے یہ جہالت اور حماقت ہے، اندیشہ ہے کہ ایسی باتوں کی وجہ سے توبہ کی توفیق بھی نہ ہو۔

سوم: تقدیر کا بہانہ شریعت کی خلاف ورزی کے لیے تراشا جاتا ہے، فرائض و واجبات ترک کرنے کے لیے بہانہ بازوں کو شیطان تقدیر یاد دلاتا ہے، لیکن دنیا کمانے کے لیے سب دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں حالاں کہ رزق بھی مقدر ہے، رزق کے سلسلہ میں تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھتے، نماز، روزہ اور دیگر فرائض ترک کرنے کے لیے تقدیر کو بہانہ بنا لیتے ہیں یہ سراسر خود فریبی ہے هَدَاهُمُ اللّٰه.

۲۔ اس کا جواب کہ کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں: بہت سے لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ شریعت پر چلو، خداوند قدوس کے اَحکام کی خلاف ورزی نہ کرو تو جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم بھی چلیں؟

یہ بہانہ بھی عجیب جاہلانہ ہے اگر ساری دنیا بھی شریعت کے خلاف چلنے لگے تب بھی کسی کے

---

[۱] مشكاة المصابيح (ص: ۲۰) عن البخاري ومسلم

لیے شریعت کی خلاف ورزی جائز نہیں ہوجاتی۔ ہر شخص ذاتی طور پر اپنے متعلقہ اَحکام کا خود مخاطب ہے کوئی دوسرا عمل کرے یا نہ کرے۔ اور ہر آدمی پر اپنی ذاتی ذمہ داری پوری کرنا لازم ہے۔ کیا میدانِ حشر میں یہ بہانہ کام دے سکتا ہے کہ دوسروں نے شریعت پر عمل نہیں کیا تو میں نے بھی نہیں کیا؟ اگر دوسرے لوگ عذاب میں جانے کے لیے تیار ہوں تو ان کی حرص کرکے اپنی جان کو عذاب میں جھونکنا کون سی سمجھ داری کی بات ہے؟ یہ کہنا کہ سب عذاب بھگتیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بھگت لوں گا، جہالت اور حماقت ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾[1]

اور جب کہ تم کفر کر چکے ہو تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔

دوزخ کی آگ کی گرمی: اصل بات یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا یا تو علم نہیں ہے یا یقین نہیں۔ وہاں کے عذاب کی کس کو سہار ہے؟ جس دوزخ کی آگ دنیا والی آگ سے انہتر (۶۹)[2] درجہ زیادہ گرم ہے، اس میں داخل ہونے کے بعد جو عذاب ہوگا دوسروں کو دوزخ کی آگ میں جلتا دیکھ کر اس میں کوئی تخفیف نہ ہوگی، پھر دوسروں کی حرص کرکے دوزخ میں جانا اپنی جان پر ظلم نہیں تو کیا ہے؟ جن دنیاوی کاموں میں نقصان اور ضرر اور ہلاکت و بربادی ہو ان میں کوئی بھی حرص نہیں کرتا، دنیا کے بارے میں بہت زیادہ مثل مشہور ہے کہ لوگ کنوئیں میں گریں گے تو کیا تم بھی گرو گے؟ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دکھ، تکلیف و ہلاکت و بربادی میں حرص کرنا حماقت اور بے وقوفی ہے۔

جب دنیا کے حقیر نقصان میں کسی کی حرص گوارا نہیں تو آخرت کے سخت عذاب میں جانے کی حرص کون سی سمجھ داری ہوئی؟ دنیا میں ہزاروں بدمعاش، غنڈے، چور اور ڈاکو ہیں۔ کچہری میں جا کر دیکھو، بیڑیاں پڑی ہوئی اور مشکیں بندھی ہوئی ملیں گے ان کو دیکھ کر کسی کو بھی خواہش نہیں ہوتی ہے کہ میں ایسا ہی ہوجاتا۔ ٹی بی کے مریض پر کوئی رشک نہیں کرتا، دل کے مریض سے کوئی حسد نہیں کرتا،

[1] الزخرف: ۳۹

[2] فضّلت علیهن بتسعة وستین جزءاً کلهن مثل حرّها. متفق علیه مشکاة المصابیح (ص: ۵۰۲)

اندھوں کی جماعت میں کوئی شامل ہونے کو تیار نہیں، دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی کتنی اہمیت ہے اور آخرت کے دردناک عذاب کی ذرا بھی پروا نہیں، دوسرے بے عمل لوگوں کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہونے کو تیار ہیں اور گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں فَاللّٰهُ يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ.

اللہ نکتہ نواز ہے مگر عزیزٌ ذُوانتقام بھی ہے

۳۔ بہت سے لوگ اپنی بے عملی کے لیے بطور بہانہ یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے، وہ بڑا غفورٌ رَّحیم ہے یوں ہی بخش دے گا۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ بڑا غفورٌ رَّحیم ہے، اس سے بڑھ کر کوئی داتا نہیں اور اس کی مغفرت اور رحمت بہت بڑی ہے، لیکن وہ صرف غفورٌ رَّحیم ہی نہیں جبّار وقہّار بھی ہے، عزیزٌ ذُوانتقام بھی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ﴾[1]

بلاشبہ تیرا ربّ بڑی مغفرت والا ہے اور بڑے دردناک عذاب والا ہے۔

اس کی کیا دلیل ہے کہ تمہارے ساتھ مغفرت کا ہی معاملہ ہوگا؟ اگر گرفت کا معاملہ فرمالیا اور دوزخ میں داخل فرمادیا تو کیا ہوگا؟ سمجھ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مغفرت اور رحمت پر بھی نظر رکھی جائے اور اس کی گرفت اور عذاب سے بھی ڈرتے رہیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے امت کا یہ طریقہ رہا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾[2]

بے شک یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے، اور اُمید وبیم کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

اور ارشاد فرمایا ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز

[1] حم السجدة: ۴۳ [2] الأنبياء: ۹۰

وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؀[1]

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں، اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے ربّ کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں، اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنا تو جزوِ ایمان ہے اور بہت بڑی چیز ہے، لیکن اُمید کے ساتھ خوف ہونا بھی ضروری ہے، دونوں کے ساتھ ساتھ ہونے سے ہی مومن بندہ کی زندگی ٹھیک رہتی ہے۔ اُمید ہو اور خوف نہ ہو یہ نڈر آدمیوں کا طریقہ ہے جس کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے، ارشادِ ربانی ہے کہ

﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ؀﴾[2]

کیا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے؟ خدائے تعالیٰ کی پکڑ سے وہی لوگ بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت ہی آ گئی ہو۔

اُمید اور خوف دونوں کی ضرورت ہے: جو حضرات سچے مؤمن ہیں اور ایمان کے تقاضوں سے واقف ہیں وہ گناہ کر کے تو کیا نڈر ہوتے، وہ تو نیکیاں کر کے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہوں، اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ عمل صحیح ہوا یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہو بھی گیا تو قبول ہوگا یا نہیں؟

جن صحابہ کو جنت کی بشارت دے دی گئی ان کا طرزِ عمل: حضورِ اقدس ﷺ نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی وہ ہمیشہ ڈرتے رہے، انہوں نے کبھی گناہ کرنے کی جرأت نہ کی اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے میں مشغول رہے، پھر جن لوگوں سے بلا عذاب کی بخشش کا کوئی وعدہ نہیں وہ کیسے گناہوں پر جرأت کرتے ہیں؟ پھر جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے اس کے ساتھ اپنی زندگی کو بھی تو دیکھیں اور غور کریں کہ ہمارے اعمال میں وہ کون سا عمل ہے جس پر نوازش ہو جائے گی؟ اگر غور کریں گے اور اپنے ظاہر و باطن اور اخلاص کا جائزہ لیں گے تو کوئی عمل بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس کے بارے میں یہ کہہ سکیں کہ یہ مغفرت اور نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسی میں خیر ہے کہ نیک عمل کرتے رہیں اور

---

[1] الم السجدة: ١٦ [2] الأعراف: ٩٩

گناہوں سے بچتے رہیں، امید بھی رکھیں اور ڈرتے بھی رہیں، امید اور خوف دونوں ہی مؤمن کی زندگی کے پہیّے ہیں۔

۴۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب نیک ہوجائیں تو خدا کی خدائی کس کام آئے گی:

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شریعت پر عمل کرنے سے جان چُراتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام کے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو اور گناہوں سے باز آؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ اگر سب نیک ہوجائیں تو خدا کی خدائی کس کام آئیگی (العیاذ باللہ)۔

یہ بڑی جاہلانہ بات ہے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ پر اعتراض ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ غفورٌ رَّحیم بھی ہے پھر ہمیں آزادی ہونی چاہیے، جو عمل چاہیں کریں، شریعت پر عمل کریں یا نہ کریں، گناہ چھوڑیں یا نہ چھوڑیں اپنی خدائی سے وہ ہمیں بخش دے۔ ان جاہلوں کی اس بات کو سامنے رکھا جائے تو اَحکامِ شریعت کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی، اور اللہ پاک کے بھیجے ہوئے اَحکام اور نیکیوں، بدیوں کی فہرست اور عذاب وثواب کی تفصیلات سب عبث وفضول ہوجاتی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، غفورٌ رَّحیم ہے، سب کو بغیر عمل کے بخش سکتا ہے، اور ہر گناہ معاف کرسکتا ہے لیکن وہ ایسا کرے گا نہیں، وہ بہت سوں کو بخشے گا بہت سوں کی گرفت فرمائے گا اور عذاب دے گا جیسا کہ احادیث شریفہ میں تفصیلات وارد ہوئی ہیں۔

خدائی کا مظاہرہ بخشنے اور عذاب دینے دونوں میں ہے: خدا تعالیٰ کی خدائی کا مظاہرہ صرف بخش دینے ہی میں نہیں ہے گرفت کرنے اور عذاب دینے میں بھی ہے۔ وہ جس کو بھی عذاب دے گا اس میں بھی اس کی خدائی کا مظاہرہ ہوگا، یہ کہنا کہ وہ اپنی خدائی سے بخش ہی دے اور گرفت نہ فرمائے یہ اس کی خدائی پر اعتراض ہے جو بہت بڑی جہالت وحماقت ہے۔

۵۔اس کا جواب کہ سب نیک ہوجائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی؟: کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سب ہی نیک ہوجائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی؟ گویا یہ لوگ گناہ کرکے اور دوزخی بن کر اللہ تعالیٰ پر احسان کررہے ہیں، اور اس کی دوزخ کو بھرنے میں مدد دینے کے لیے اپنی جان کو جلنے کے لیے پیش کررہے ہیں۔

دوزخ کی لمبائی چوڑائی: درحقیقت ان لوگوں کو دوزخ کی لمبائی چوڑائی کا پتہ ہی نہیں ہے، وہ تو اتنی بڑی ہے کہ کروڑوں افراد انسان اور جنات جب اس میں داخل ہو جائیں گے تب بھی وہ خالی رہ جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو پُر فرمائیں گے، وہ بھی اس طرح سے کہ وہ سکڑ جائے گی جیسا کہ حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔[1]

ہزار (۱۰۰۰)، دو ہزار (۲۰۰۰) جاہل جو یہ کہتے ہیں کہ ہم گناہ نہ کریں تو دوزخ کس سے بھرے گی؟ ان کے دوزخ میں جانے سے دوزخ کی گہرائی چوڑائی کے پُر کرنے میں کیا سہارا مل سکتا ہے۔ بندہ کا کام ہے کہ حکم پر چلے گناہوں کو چھوڑے اور دوزخ سے بچنے کی کوشش کرے، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ بار بار دعا میں کہے، وہ اس فکر میں کیوں پڑے کہ دوزخ کس سے بھرے گی۔

سچی بات یہ ہے کہ ایسی باتیں کرنے والوں کو یا تو جنت، دوزخ پر یقین نہیں (اور یہ کفر ہے) اور یا دوزخ کے دردناک عذاب کا حال معلوم نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ دوزخ تو نانی جی کا گھر ہے وہاں جاتے ہی مٹھائی ملے گی اس لیے اس کی تیاری کر رہے ہیں، اور اس کے بھرنے والوں میں شمار ہونے کو فخر سمجھ رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے دوزخ کی آگ اتنی گرم ہے کہ دنیا والی آگ میں اُنہتر (۶۹) درجہ اسی قدر گرمی اور ملا دی جائے تب دوزخ کی آگ کی برابر اس میں گرمی آئے گی (جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں)۔ دنیا والی آگ جو دوزخ کی آگ کے مقابلہ میں معمولی حرارت رکھتی ہے اس کو پانچ منٹ بھی ہاتھ میں لینے کو تیار نہیں اور بے عمل ہو کر دوزخ کی آگ میں جلنے کو تیار ہیں۔ ﴿فَمَا اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾[2]

۶۔ بعض جاہلوں کا یہ اعتراض ہے کہ ہمیں پیدا ہی کیوں کیا؟: کچھ لوگوں سے اس طرح کے فقرے بھی سنے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ہم نے کیا تار بھیجا تھا کہ ہمیں پیدا کر دے؟ ہماری درخواست کے بغیر ہمیں پیدا بھی کر دیا اور پھر دوزخ بھی بنا دی، پیدا کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟

یہ جاہل خدائے پاک کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں، اپنے کو بے قصور اور العیاذ باللہ! خدائے پاک کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ خدائے پاک پر اعتراض کرنا کفر ہے، جس کی سزا ہمیشہ

---

[1] فَيَنْزَوِيْ بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ. مشكاة المصابيح (ص:۵۰۵) [2] البقرة:۱۷۵

ہمیش کے لیے دوزخ ہے۔ جب دوزخی دوزخ میں جانے لگیں گے تو یہ حیلہ کام نہ دے گا کہ ہم نے جو اعتراض اٹھایا تھا کہ ہمیں پیدا کیوں کیا؟ اس کا جواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾[1] اس کی شان ہے۔اس سے کسی کو پُرسش (پوچھ گچھ) کرنے کا کوئی حق نہیں، یہ انسانوں کی بدبختی ہے کہ خدائے پاک نے جو وجود بخشا ہے اس نعمت کی قدر کرنے اور اس نعمت کو موت کے بعد کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے اُلٹی ناشکری کرتے ہیں اور پیدا کرنے والے پر اعتراض کررہے ہیں کہ ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ان اعتراضوں سے دوزخ سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ پیدائش سے پہلے اپنی پیدائش کی کیا خواہش ہوتی آپ تو معدوم تھے جس کا وجود ہی نہیں وہ کیا درخواست کرسکتا ہے؟ اب جب کہ پیدا کرنے والے نے اپنے اختیار سے پیدا فرمادیا اور اس نے موت کے بعد جنت و دوزخ بھی رکھ دی، اور ہر ایک میں جانے کے اعمال سے بھی باخبر فرمادیا تو اسی میں خیر ہے کہ دوزخ کے کاموں سے بچیں اور جنت کے کاموں میں لگیں۔ اعتراض بازی اور زبان درازی میدانِ آخرت میں کام نہ دے گی، وہاں کے لیے تو مؤمن صالح ہوکر جانا ضروری ہے۔

۷۔اس اعتراض کا جواب کہ شیطان کو پیچھے کیوں لگایا؟: کچھ لوگ خدائے پاک پر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے شیطان کو پیچھے کیوں لگادیا؟ اور سمجھتے ہیں کہ یہ اعتراض بہت بڑا حیلہ ہے جس کے ذریعہ دوزخ سے بچ جائیں گے۔ یہ بھی جاہلانہ اعتراض ہے۔خدائے پاک نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے آزمائش میں بھی مبتلا فرمایا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾[2]

بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

پیدا فرمانا اور آزمایش میں ڈالنا یہ سب اس کے حکمت کے موافق ہے، اسی آزمایش میں سے یہ بھی ہے کہ شیطان اور اس کی ذرّیت سب انسان کی دشمنی میں لگے ہوئے ہیں، ان کی کوشش

---

[1] البروج: ۱٦ [2] الملك: ۱، ۲

ہے کہ جیسے ہم کو دوزخ میں جانا ہے ایسے ہی سارے انسان بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ اگر شیطان پیچھے لگایا ہے تو انسان کو اس کے دفع کرنے کے لیے قوتِ ارادی بھی تو عطا فرمائی ہے۔ شیطان کو دفع کرو، اس کے بہکاوٴں اور وسوسوں کو پاوٴں کے نیچے روندتے ہوئے آگے بڑھ جاوٴ۔ آزمائشوں میں کامیاب ہونے پر اور شیطان کو ذلیل کر کے گناہ چھوڑنے اور نیکیاں اختیار کرنے پر ثواب بھی تو بہت بڑا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ہمت وارادہ پر قابو پانے کا ارادہ کرے تو شیطان کی حیثیت اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾[1]

بلاشبہ شیطان کی تدبیر کمزور ہوتی ہے۔

جو موٴمن بندے شیطان سے بچنا چاہتے ہیں وہ بچ کر رہتے ہیں اور شیطان کی تدبیروں کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ اعمال میں کچا خود بنے، ہمّت خود ہارے اور شیطان کے بہکانے کا بہانہ کرے، یہ کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

شیطان کا قابو کن لوگوں پر چلتا ہے؟: سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾[2]

یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں، اس کا قابو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کا تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شیطان کا قابو ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں، جب شیطان ورغلائے فوراً اس کی طرف سے توجہ ہٹائے اور اللہ کی طرف رجوع ہو اور گناہ سے بچے۔ اگر آج شیطان کی بات مان لی تو وہ کل کو بھی منوائے گا اور پھر دوستی کرلے گا اور وہ دوستی زیادہ سے زیادہ گناہ کرانے کی باعث ہوگی۔ موٴمن کا کام ہے کہ ہمت کرے اور شیطان کو دفع کرے، اس کے وسوسوں میں نہ آئے، خدائے پاک پر اعتراض کر کے اپنے کو مزید مجرم نہ بنائے۔ گناہ بھی کرے اور خدائے پاک پر اعتراض بھی، یہ بہت بڑی بدبختی ہے، برخلاف اس

[1] النساء: ۷۶ [2] النحل: ۹۹، ۱۰۰

کے شیطان سے جان چھڑائے اور ہمت وحوصلہ سے کام لے اسی میں خیر ہے۔

۸۔ بے عملی کے لیے توفیق کا بہانہ اور توفیق کا مطلب: ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو اپنی بے عملی کے لیے توفیق کا بہانہ کرتے ہیں یعنی یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ ہمیں نماز وروزہ اور دوسرے عملوں کی توفیق عطا فرمائے۔ کبھی کہتے ہیں کہ دعا کیجیے کہ ہدایت ہوجائے۔ درحقیقت ان لوگوں کو توفیق کا معنی معلوم نہیں ہے۔ علمائے کرام نے توفیق کا معنٰی بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ **هُوَ جَعْلُ الْأَسْبَابِ مُوَافِقَةً لِّلْخَيْرِ** جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کام کرنا چاہے اس کے کرنے کے اسباب مہیا ہوں، بس یہی توفیق ہے۔

ہر شخص اپنی قدرت وطاقت کو دیکھ لے، عمل کرنے کے لائق طاقت واستطاعت کا موجود ہونا ہی توفیق ہے۔ اگر مال ہے اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے تو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہی توفیق ہے۔ اگر اتنا مال ہے جس پر شرعاً حج فرض ہے تو حج کی ادائیگی کے لیے یہی توفیق ہے۔ قواعدِ شرعیہ کے مطابق کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر جس طرح نماز پڑھنے کی قدرت ہو بس یہی توفیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کی طاقت بھی دی ہے، جسمانی طاقت ہو یا مالی وسعت ہو اس طاقت ووسعت کا ہونا توفیق ہے۔ توفیق کوئی بجلی کی طاقت کا نام نہیں ہے کہ کرنٹ پہنچے اور خود بخود مجبوراً مشین کی طرح حرکت کرنے لگے، توفیق ہوتے ہوئے بھی اپنا اختیار استعمال کرنا پڑتا ہے۔

ایک سیٹھ کو ایک بزرگ کا جواب: ہمارے ایک بزرگ سے بمبئی کے رہنے والے ایک سیٹھ صاحب نے کہا کہ دعا فرمائیے، اللہ تعالیٰ مجھے حج کی توفیق عطا فرمائے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس روز حاجیوں کا جہاز روانہ ہونے لگے مجھے بلا لیجیے گا، میں آپ کو پکڑ کر جہاز میں سوار کردوں گا۔ اس فرمان کا مطلب یہ تھا کہ پیسہ موجود ہے، ہاتھ پاؤں صحیح سالم ہیں، ٹکٹ خرید سکتے ہیں، جہاز میں بیٹھ سکتے ہیں اور کون سی توفیق کا انتظار ہے؟ اپنا اختیار استعمال نہیں کرنا چاہتے تو مجھے بلا لیں میں زبردستی جہاز میں بٹھا دوں گا۔ توفیق ہوتے ہوئے اپنے اختیار کو کام میں نہ لائیں یہ سراسر خود فریبی ہے۔ توفیق ہوتے ہوئے بے توفیقی کا بہانہ ترکِ فرائض وواجبات کے لیے عذر نہیں بن سکتا۔

دعا کریں اللہ ہمیں ہدایت دے: بہت سے لوگ جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ

عمل کی توفیق دے، ان کو اللہ تعالیٰ نے توفیق تو دے رکھی ہے لیکن اس کو اپنے اختیار سے کام میں نہیں لاتے اور دعا کرانے کے عنوان سے اپنی بے عملی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح یوں کہنا کہ دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے، یہ بھی نفس کا حیلہ ہے، اللہ جل شانہٗ نے اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیج دیا، اپنی کتاب نازل فرمادی، فرائض وواجبات سمجھا دیے، گناہوں کی فہرست بتادی، عقل دے دی، کیا یہ ہدایت نہیں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے بعد اور کون سی ہدایت کا انتظار ہے جس کے لیے دعا کرائی جارہی ہے؟ نفس کو عمل پر آمادہ کریں، نفس حیلے سمجھا کر بے عمل رہنا چاہتا ہے اس پر قابو کریں **فَالْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ.**

۹۔ آخر عمر میں توبہ کرنے کا ایک حیلہ: بعض لوگ گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں! اخیر عمر میں توبہ کرلیں گے۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ گناہوں پر جرأت کرنا ہی ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے پھر گناہوں پر اصرار کرنا اور برابر گناہ کرتے رہنا بہت بڑی سرکشی اور خداوندِ قدوس کی بغاوت ہے۔ وفادار بندہ کا تو یہ مقام ہے کہ کوئی چھوٹا سا گناہ بھی ہوجائے تو مارے ندامت کے پانی پانی ہوجاتا ہے کہ ہائے! مجھ ذلیل وحقیر سے خالقِ کائنات ربّ العزت جل مجدہ کی نافرمانی ہوگئی۔ گناہوں پر اصرار کرنا مؤمن کی شان سے بالکل جوڑ نہیں کھاتا، جب کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کرنا واجب ہے۔

یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے کہ بعد میں توبہ کرلیں گے، کیا معلوم ہے کہ توبہ کا موقع ملے یا نہ ملے۔ اچانک موتیں ہوتی رہتی ہیں اور بکثرت جوانی میں بھی لوگ مرتے ہیں، اگر بڑھاپا نہ پایا (جس کے انتظار میں توبہ کو موقوف رکھتے ہیں اور گناہ کرتے چلے جاتے ہیں) اور جوانی ہی میں موت ہوگئی، یا بڑھاپا پالیا لیکن اچانک موت آگئی اور توبہ نہ کرسکے تو کیا ہوگا؟ اس پر بھی توجہ کرنا چاہیے۔

شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بغیر توبہ کے مرے: لیکن سب سے پرانا اور سب سے بڑا دشمن شیطان رجیم اس بات کو سوچنے ہی نہیں دیتا، اس کی خوشی تو اسی میں ہے کہ انسان گناہ گاری کی زندگی گزارتا رہے اور بغیر توبہ کے مرجائے تاکہ موت کے بعد عذاب میں گرفتار ہو۔ دشمن کے بہلاوے اور پھسلاوے کو خیر خواہی سمجھ کر خود اپنا برا کرنا بڑی بدنصیبی ہے۔ اور یہ بات

بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جب توبہ کریں گے وہ اس وقت قبول ہوگی جب کہ توبہ کی شرطیں پوری کر لی ہوں۔ دورِ حاضر کے لوگوں کی اول تو توبہ ہی سچی اور پکی نہیں ہوتی اور اس کی شرطیں پوری نہیں کرتے، پھر اگر سچی توبہ نصیب ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ توبہ کے بھروسہ پر خوب زیادہ سے زیادہ گناہ کرتے رہیں۔

سچی اور پکی توبہ پر خداوندِ قدوس کی طرف سے گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے، لیکن اس وعدہ پر گناہوں پر جرأت کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

حضورِ اقدس ﷺ کا عبادت میں انہماک: اللہ جَلَّ شَأنُہٗ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کا سب کچھ معاف فرمادیا، پھر بھی آپ راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے مبارک قدموں پر ورم آگیا تھا۔ جب آپ سے عرض کیا گیا کہ جب اللہ نے آپ کا سب کچھ معاف فرمادیا تو آپ عبادت میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا میں خداتعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔[1]

بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضورِ اقدس ﷺ نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی، اور غزوۂ بدر کے شریک ہونے والے صحابہ کے لیے خدائے پاک کی طرف سے اعلان فرما دیا گیا تھا کہ تم جو چاہو کرو تمہاری بخشش کر دی گئی۔ ان حضرات نے اس کی وجہ سے کسی گناہ پر جرأت نہ کی، بلکہ اور زیادہ نیک کاموں میں لگے اور گناہوں سے دور رہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جن کا سب کچھ معاف کر دیا گیا اور جن کو جنت کے داخلہ کا دنیا میں اعلان کر کے اطمینان کرا دیا گیا ان کو تو نیکیوں سے فرصت ہی نہ ملی اور گناہوں کی طرف دھیان ہی نہ گیا، اور جنہوں نے ابھی تک توبہ کی بھی نہیں وہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے جا رہے ہیں جب کہ موت سے پہلے توبہ کا موقع ملنے کا یقین بھی نہیں ہے:

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

۱۰۔ بے عملی کے لیے علما کے اختلاف کا بہانہ: بعض لوگ اپنی بے عملی کے لیے علما کے اختلاف کو بہانہ بناتے اور کہتے ہیں کہ ارے صاحب! کس بات پر عمل کریں، ایک مولوی کچھ کہتا

---

[1] مشکاۃ المصابیح (ص: ۱۰۸)

ہے دوسرا مولوی کچھ بتاتا ہے۔

ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ ان چیزوں پر تو عمل کریے جن میں کسی کا اختلاف نہیں۔ آخر پانچ نمازوں اور رمضان کے روزوں کے فرض ہونے میں اور صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ کی فرضیت اور صاحبِ استطاعت پر حج کی فرضیت میں کس کا اختلاف ہے؟ مولویوں کے اختلاف کو بہانہ بنانے والے نماز، روزہ تک کی پابندی نہیں کرتے، اور زکوٰۃ فرض ہوتے ہوئے زکوٰۃ نہیں دیتے، ہزاروں روپے دبائے پڑے ہیں حج کو نہیں جاتے، بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں جن کے گناہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اگر مولویوں کا اختلاف آپ کے لیے باعثِ بے عملی ہے تو جن اعمال کے فرض اور واجب ہونے میں سب کا اتفاق ہے ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اور جن چیزوں کے گناہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے ان کو کیوں نہیں چھوڑتے؟

مسائلِ ضروریہ میں علُما کا اختلاف نہیں: پھر مولویوں کا جن چیزوں میں اختلاف ہے وہ ان مسائلِ ضروریہ میں نہیں ہے جو روزانہ پیش آتے ہیں۔ جو لوگ حنفی مذہب کے پابند ہیں وہ اگر حنفی مسلک کے کسی عالم و مفتی سے مسئلہ پوچھیں گے اور وہ واقعی عالم ہے اور فقہ حنفی پر عبور رکھتا ہے تو وہ فقہ حنفی ہی کے مطابق بتائے گا، اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی عالم جو فقہ حنفی کا ماہر ہو وہ بھی وہی بتائے گا جو پہلے شخص نے بتایا ہے۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان لوگوں سے مسائل پوچھ لیتے ہیں جنہیں مسائل کا علم نہیں، اور انہوں نے جو مسئلہ غیر ذمہ دارانہ طور پر غلط بتایا اسے علُما کا اختلاف بنا کر اُچھالتے ہیں اور خود کو عمل سے بری کر لیتے ہیں۔

ڈاکٹروں یا وکیلوں میں اختلاف ہو تو وہ عمل سے نہیں روکتا: پھر یہ اختلاف کا بہانہ دین ہی میں تلاش کرتے ہیں، دنیاوی کاموں میں اختلاف عمل سے نہیں روکتا۔ کتنے مریض ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں ان کے مرض کی تشخیص میں ڈاکٹروں کا اختلاف ہوتا ہے، اور کسی مرض کے بارے میں حکیم کچھ بتاتے ہیں اور ڈاکٹر اس کے بارے میں دوسری رائے دیتے ہیں، لیکن اس اختلاف کی وجہ سے کوئی علاج کرنا نہیں چھوڑتا۔

اگر کوئی مقدمہ لڑنا ہو اور اس کے لیے وکیل کی ضرورت ہو تو چند وکیلوں سے ملتے ہیں ان کی

مختلف رائیں سامنے آتی ہیں، اس کے باوجود مقدمہ لڑتے ہیں، کوئی مدعی اپنا مقدمہ اس وجہ سے واپس نہیں لیتا کہ وکیلوں میں اختلاف ہے بلکہ خوب وکیلوں کے دروازوں کی خاک چھانتے ہیں اور لوگوں سے مشورے کرتے ہیں کہ کس کو وکیل بناؤں، پھر جب تحقیق وتلاش ومشورہ کے بعد کسی پر دل ٹھک جاتا ہے تو اسی کو اپنا وکیل بنالیتے ہیں۔

وکیلوں کا یہ حال ہے کہ ہر ایک کا مقدمہ لینے کو تیار ہیں، حق اور ناحق سے انہیں کوئی مطلب نہیں، انہیں تو فیس چاہیے، ہر سچے جھوٹے کو مشورہ دینے کو تیار ہیں پھر بھی انہیں کو وکیل بنایا جاتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وکیل کو فیس دے کر مقدمہ ہار جاتے ہیں پھر بھی اس کو کوئی الزام نہیں دیتے، فیس بھی دی مقدمہ بھی ہارے پھر بھی وکیل صاحب معزز ہی رہے۔ ہر وکیل سینکڑوں مقدمات ہراتا ہے پھر بھی اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا، سینکڑوں آدمی ان کے دفتروں میں بھیڑ لگائے رہتے ہیں۔ یہ ہی حال ڈاکٹروں اور حکیموں کا ہے کہ ان میں اختلاف بھی ہوتا ہے اور ان کے علاج سے لوگ مر بھی جاتے ہیں ان کی حکیمی، ڈاکٹری میں کوئی فرق نہیں آتا ہے لوگ برابر ان سے علاج کرواتے ہیں۔

آخر اختلاف کو دینی کاموں کے لیے کیوں بہانہ بنایا جاتا ہے؟ بات اصل یہ ہے کہ دین پر عمل کرنا نہیں چاہتے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اگر دین کو بھی ضرورت کی چیز سمجھتے تو مسائل معلوم کرنے کے لیے متعدد عُلَما کے پاس جاتے، ان کو پرکھتے اور ایسا شخص تلاش کرتے جس کے علم پر اعتماد ہو جائے۔ نزلہ عُضوِ ضعیف پر ہی گرتا ہے کیوں کہ دین موجودہ معاشرہ میں ضعیف ہے اس لیے ہر نقصان اور خسران اور بے عملی دین ہی میں برداشت کر لیتے ہیں اور لفّاظی اور چرب زبانی اور بہانہ بازی کا حربہ بھی دین ہی میں استعمال کرتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسلام سراسر عمل کا نام ہے جو اَحکام سب کے لیے عام ہیں ان کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا سب کے لیے لازم ہے، اور کچھ اَحکام ایسے ہیں کہ جن کا تعلق خصوصی احوال واشخاص سے ہے مثلاً تاجر تجارت کے اَحکام سیکھے اور ان پر عمل کرے اور کاشت کار کھیتی باڑی کے اَحکام معلوم کرے اور ان کے مطابق عمل پیرا ہو۔

اسی طرح جج اپنی ذات سے متعلق شرعی اَحکام معلوم کرے پھر جج بنے، جو لوگ کہیں ملازم

ہیں یا ملازمت کی کوشش میں ہیں وہ لوگ اپنے محکمہ کے متعلق پتہ چلائیں کہ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، اور جس کسی محکمہ میں ملازمت کی تلاش ہے اس میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہے، اس کو علما سے معلوم کریں پھر اگر جائز ہو تو ملازمت اختیار کریں۔

عُلَما پر اعتماد نہیں تو عالم بنیں: اگر کوئی شخص عُلَما کے جواب سے مطمئن نہیں ہوتا اور ان کے جوابات سن کر اس کے خیال میں عمل کا راستہ کھل کر سامنے نہیں آتا، تو لازم ہے کہ خود عالم بنے اور اپنی اولاد کو عالم بنائے تاکہ پوری بصیرت کے ساتھ متعلقہ اَحکام کو انجام دے۔ علم کسی خاندان کے لیے مخصوص نہیں ہے، کسی قبیلہ کی یا اس کی میراث نہیں ہے، نہ کسی خاص قوم وطن اور نسل کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ کا دین ہے جو آگے بڑھ کر لے گا وہ دنیا و آخرت میں اللہ کا محبوب ہوگا۔

اگر موجودہ عُلَما سے مطمئن نہیں تو خود عالم بنو تاکہ دینِ خداوندی پر پوری طرح عمل پیرا ہوسکو، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ نہ خود عالم بنے، نہ اپنی اولاد کو عالم بنائے اور جہالت کو اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے پسند کرے، اور جب دین پر عمل کرنے کی بات سامنے آئے تو عُلَما کے اختلاف کو بہانہ بنا کر بے عمل رہ جائے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ جھوٹا عذر اور لچر حیلہ آخرت میں بدعملی کے عذاب سے بچانے والا نہیں، سیدھی بات ہے کہ جب عُلَما میں اختلاف ہے اور ایسا اختلاف ہے کہ اس کی وجہ سے آپ کو عمل کی راہ نہیں ملتی تو خود عالم بنیے اور اپنے علمِ صحیح کے مطابق دین پر چلیے۔

۱۱۔ بھوکا مرا نہیں جاتا اور حلال ملتا نہیں: بہت سے لوگ حرام روزی سے پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ صاحب! بھوکا مرا نہیں جاتا اور حلال ملتا نہیں، لہٰذا مجبوری ہے۔ یہ بالکل صریح جھوٹا بہانہ ہے کیوں کہ حلال دنیا میں موجود ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ شریعت میں اسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے جو موجود ہو، ایسا نہیں ہے کہ جو چیز ممکن نہ ہو اس کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہو، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عموماً حلال زیادہ نہیں ملتا، تن ڈھکنے اور بھوک روکنے اور سر چھپانے کے لیے ہمیشہ حلال مل سکتا ہے اور ملتا ہے۔ جس کسی کو آخرت کی فکر ہے وہ کم کھائے گا اور معمولی لباس پہنے گا اور معمولی سے چھپر میں رہے گا، اتنے سے اخراجات کے لیے حلال مال مل سکتا ہے لیکن آخرت کی فکر اور اس کا خوف ہونا لازم ہے۔

بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو رئیس کبیر ہیں ان کا مال حلال ہے، کمانے میں حلال کا خیال رکھتے ہیں، اللہ پاک ان کو اسی میں ترقی دیتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مال زیادہ ہو تو حرام ہی ہو اور کم ہو تو حلال ہی ہو۔ شریعت میں حلال و حرام کے اصول اور قواعد مقرر ہیں ان کے مطابق حلال کو حلال اور حرام کو حرام ماننا لازم ہے۔ بہت سے لوگ کم کماتے ہیں مگر ان کا مال حرام ہوتا ہے، بے ایمانی، چوری وخیانت، سود، رشوت سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے چاہے تھوڑا سا ہو خواہ ایک پیسہ ہی ہو، اور شریعت کے مطابق حلال طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال حلال ہے چاہے کروڑوں کی مالیت ہو۔

بس کمانے میں اصولِ شریعت کو دیکھنا لازم ہے۔ یہ فیصلہ کر لینا کہ حلال ملتا ہی نہیں غلط ہے، اور یہ جھوٹا بہانہ حرام خوری کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ. [1]

جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہو وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہو دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے والو! نفس کو حرام سے بچاؤ، اور زبردستی اس کو اس پر آمادہ کرو کہ حلال کھائے، اور حلال سے ضرورتیں پوری کرو۔

۱۲۔ گناہوں کی ذمہ داری عورتوں و بچوں پر ڈالنا: بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شادی، غمی، یا دیگر مواقع میں شریعت کی پاس داری کرو اور فلاں فلاں گناہ سے باز آؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ عورتیں نہیں مانتی ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے گھر میں گناہ اور گناہ کی چیزیں دیکھتے ہیں اور توجہ دلانے پر کہہ دیتے ہیں کہ لڑکے اور بچے نہیں مانتے، اور اپنے کو اس طرح گناہ سے بری سمجھ لیتے ہیں۔ ان کے گھر میں گناہ ہو رہا ہے، بدعتوں پر عمل ہے، شادی میں ڈھول باجے بج رہے ہیں، بے پردگی ہو رہی ہے اور صاحبِ خانہ اپنے کو ان سب گناہوں سے بری ہی سمجھے ہوئے ہیں، اور حیلہ یہ تراش رکھا ہے کہ عورتیں اور بچے نہیں مانتے، حالاں کہ پورے گھر کو دین پر چلانے کی ذمہ داری گھر کے بڑے پر ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

---

[1] مشكاة المصابيح (ص: ٢٤٢)

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، فَالْإِمَامُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ. أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.[1]

خبردار! تم میں سے ہر شخص (اپنے ماتحتوں کا) نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیّت (یعنی جو اس کے ماتحت نگرانی میں ہیں) ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام (یعنی امیر المؤمنین سب سے بڑا صاحبِ اقتدار) نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ (پھر آخر میں فرمایا:) تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

اردو میں رعیّت ان لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی کی عملداری میں بستے ہوں، لیکن عربی میں رعیّت کا مفہوم بہت عام ہے جس کسی کو کسی کے جان ومال کی حفاظت سپرد کردی جائے تو اس کا راعی یعنی نگران ونگہبان ہے، اور جو کچھ اس کی نگہبانی اور نگرانی میں دے دیا گیا وہ اس کی رعیّت ہے۔ پورے ملک کے عوام ہوں یا ایک گھر کے رہنے والے اپنے آل واولاد، بیوی بچے یہ سب رعیّت ہیں اور ان کی نگرانی لازم ہے، اپنی قوت وطاقت سے ان کو دین پر لگانے اور ان سے فرائض وواجبات ادا کروانے اور ان کو گناہوں سے بچانے اور ان کو دین سکھانے پر خرچ کرنا لازم ہے۔

اہل وعیال کو دین پر چلانے کی ذمہ داری: یہ بہت ضروری امر ہے کہ جب بھی آدمی بیوی والا بنے، اپنی بیوی کو دین پر چلانے کے لیے فکر مند ہو، پھر جب صاحبِ اولاد ہو تو ان کو بھی دینی زندگی پر ڈالے اور دینی اَحکام پر چلائے۔ صرف کھلانا پلانا اور اچھے کپڑے پہنانا ہی بچوں کی

[1] مشکاۃ المصابیح (ص: ۳۲۰)

محبت نہیں ہے، اس سے بڑھ کر ان کی محبت یہ ہے کہ ان کو دین پر ڈالیں، آخرت کا فکر مند بنائیں، فرائض وواجبات سکھائیں، اَحکامِ شریعت بتائیں اور گناہوں سے بچائیں۔ جن باتوں سے بیوی بچوں کی آخرت سنورتی ہو، جنت ملتی ہو اور دوزخ سے حفاظت ہوتی ہو در حقیقت انہیں میں ان کا فائدہ ہے۔ شروع سے ایسی ترتیب بنانا لازم ہے کہ بیوی بچے کنٹرول میں رہیں اور دین پر رضا اور رغبت سے چلیں، نرمی سے، گرمی سے، پیار ومحبت سے جس طرح بن پڑے ان کو دین پر چلائیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

وَأَنْفِقْ عَلٰی عَيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ، وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَباً، وَأَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ.[1]

اور اپنے اہل وعیال پر اپنا مال خرچ کر اور ادب سکھانے کی وجہ سے اپنی لاٹھی ان سے اٹھا کر مت رکھ، اور ان کو اللہ (کے اَحکام) کے بارے میں ڈراتا رہ۔

دیکھو! جہاں یہ نصیحت فرمائی کہ اہل وعیال پر اپنا مال خرچ کرو وہاں یہ بھی فرمایا کہ ان کی طرف سے غافل ہو کر لاٹھی اٹھا کر مت رکھ، جس کا یہ مطلب ہے کہ ان کی تعلیم وتادیب میں کوتاہی نہ کرو اور ان کو نہ یہ سمجھنے دو کہ والد کو ہماری دین داری کا فکر نہیں ہے۔ ان کو دین پر ڈالنے کے لیے سختی کرو، ان کے اعمال واحوال کی نگرانی کرتے رہو، ڈانٹ اور مار پیٹ سے بھی بوقت ضرورت دریغ نہ کرو وہ ڈھیلا پن محسوس نہ کریں، ان کے ساتھ ایسا معاملہ رکھو کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور رہیں کہ اگر ہم نے دینی کاموں میں کوتاہی کی تو مار پڑے گی۔

حکمت کا جو بھی تقاضا ہو اس پر عمل کریں۔ بچوں کو سمجھائیں کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ومالک ہے، اس کی معرفت ضروری ہے، اس کی اطاعت اور فرماں برداری سے دنیا وآخرت سنورتی ہے، وہ رحیم وکریم ہے اور شدید العقاب بھی ہے، اس سے اُمید بھی رکھیں اور ڈرتے بھی رہیں۔ جب ان کو شروع سے اس طریقہ پر چلائیں گے تو وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اَحکامِ شریعت پر دل وجان سے چلیں گے اور گناہوں سے نہ صرف یہ کہ خود بچیں گے دوسروں کو بھی بچائیں گے۔

---

[1] مشكاة المصابيح (ص:۱۸)

اولاد کو دین دار بنانا عیب سمجھا جاتا ہے: آج کل لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ اولاد کو دین دار بنانے کو عیب سمجھتے ہیں، پیدائش کے دن ہی سے ان کے لیے کافروں کی وضع اور کافروں کا لباس اور کافروں کے طور طریق پسند کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور اسلامی اَحکام وآداب پڑھانے کے بجائے دوسری چیزیں پڑھواتے ہیں اور دین داروں سے دور رکھتے ہیں کہ مبادا! مُلّاً نہ بن جائے۔ جب دین اور اہلِ دین سے دور رکھتے ہیں تو سنِ شعور کو پہنچ کر وہ نہ خدا کو پہچانتے ہیں نہ رسول ﷺ کو پہچانتے ہیں، نہ ماں باپ کی کوئی حیثیت سمجھتے ہیں۔ ان فیشن کے پرستاروں کے نزدیک ماں باپ کی حیثیت گھر کے بڑے بوڑھے ملازم سے بھی کم ہوتی ہے۔ اس میں بہت بڑا قصور ماں باپ کا ہے جنھوں نے اولاد کو فسق وفجور کے راستہ پر ڈالا اور اسلام سے جاہل رکھا، اب اولاد بُرا برتاؤ کرتی ہے تو شکایت کیا ہے:

خود کردہ را علاجے نیست

امور دنیا میں سختی اور دین میں نرمی: بہت سے لوگ دنیا کے کام اپنے اہل وعیال سے بڑی سختی سے لیتے ہیں، سالن میں ذرا نمک کم رہ جائے تو لال پیلے ہوجاتے ہیں، کسی بچہ سے ذرا معمولی دنیا کا کوئی نقصان بھی ہوجائے تو سخت دار وگیر کرتے ہیں اور مار پٹائی سے بھی دریغ نہیں کرتے، لیکن دینی معاملات میں بالکل ایسے ہوجاتے ہیں جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا گویا انہیں کچھ پتہ ہی نہیں کہ گھر میں کیا ہورہا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت بڑا فریضہ ہے۔ عورتوں کو اور بچوں کو اور سب ماتحتوں کو فرائض وواجبات سکھائیں اور گناہوں سے بچائیں، نہ حرام کمائیں، نہ حرام کھائیں، نہ حرام کھلائیں۔

بیاہ شادی وغمی کی بدعات: بیاہ شادی اور غمی کے مواقع میں جو بدعات وخرافات رواج پاگئی ہیں وہ عورتوں کی مستقل شریعت بن گئی ہیں، وہ ان کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتیں، مرد بھی ان کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور مولوی صاحب کو یوں سمجھا دیتے ہیں کہ عورتیں نہیں مانتی ہیں، اسی طرح بچوں کے نہ ماننے کا بہانہ کرلیتے ہیں، یہ بہانے سب لچر ہیں اور بے جا ہیں۔ منوانے کی طرح منواؤ گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ عورتیں بھی مانیں گی اور بچے بھی مانیں گے، مگر ذرا اپنا مردپنا تو استعمال کرو۔

بیاہ شادی کے مواقع میں ڈھول اور باجے گاجے بجانا بھی عام ہوگیا ہے، اس کے لیے بھی عورتوں اور بچوں کے نہ ماننے کا بہانہ کیا جاتا ہے، حالاں کہ گانے بجانے والوں سے خود معاملہ کر کے آتے ہیں اور ان کو اپنی جیب سے پیسے دیتے ہیں۔ جو عمل اپنی خوشی سے اور اپنے پیسے سے کیا ہو اس کو عورتوں اور بچوں پر ڈالنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ شادی کے موقع پر دف بجانا ثابت ہے، کہاں دَفْ بجانا اور کہاں مُروَّجہ باجے اور گانے؟ شاید ان کو معلوم نہیں کہ دَفْ کیا ہوتا ہے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ دَفْ میں صرف ایک جانب کھال وغیرہ مڑھی ہوئی ہوتی ہے، اور اس میں ہاتھ مارنے سے ڈھب ڈھب کی آواز نکلتی ہے۔ اس آواز میں کوئی کشش نہیں ہوتی ہے اور گانے والے کے نغمات کا ساتھ نہیں دیتی، مُروَّجہ ڈھول اور باجوں کو دَفْ پر قیاس کرنا غلط ہے۔ حدیث شریف میں یوں وارد ہوا ہے:

أَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ.[1]

یعنی نکاح کا اعلان کرو، اور مساجد میں نکاح کیا کرو (کیوں کہ وہاں مسلمان جمع ہوتے ہیں نکاح کا خوب اعلان ہوجائے گا) اور نکاح پر دَفوں کو پیٹا کرو۔

معلوم ہوا کہ دَفْ پیٹنا نکاح کے اعلان کے لیے ہے۔ ''مرقات شرح مشکوٰۃ'' میں لکھا ہے کہ یہ دَفْ پیٹنا مسجد سے باہر ہو، اور ایسا دَفْ ہو جس میں بجنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ پس اس دَفْ سے رواجی ڈھول اور باجوں کو جائز قرار دینا جو فسق و فجور کی دعوت دیتے ہیں اور جو موسیقی کا پورا انداز لیے ہوتے ہیں کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، سراسر فریبِ نفس ہے اور نفس کا دھوکہ ہے۔

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

أَمَرَنِي رَبِّي بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْأَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ.[2]

یعنی میرے ربّ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

---

[1] مشکاة المصابيح (ص: ٢٧٢) [2] مشکاة المصابيح (ص: ٣١٨)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو مٹانے کا حکم دیا ان چیزوں کو اپنی بیاہ شادی میں خوشی کے ساتھ استعمال کرنا اور پھر اس کو جائز بھی سمجھنا بڑی جہالت ہے۔ بیوی بچے اپنے گھر کے بڑے کے پابند ہیں نہ کہ بڑا ان سے دب کر رہے اور ان کو اَحکامِ شریعت کے خلاف چلتا دیکھ کر آنکھیں بند کرلے۔ درحقیقت دین کی اہمیت اور عظمت دلوں میں نہیں رہی ورنہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی رضامندی کے فکرمند ہوتے۔ بچوں کے لیے خود گڑیاں اور مُورتیاں خرید کر لاتے ہیں، خود ان کے بال انگریزی بنواتے ہیں، پتلون پہننا، ٹائی لگانا سکھاتے ہیں، پھر ان سے کیا اُمید ہے کہ آگے جاکر دین پر چلیں گے اور باپ کا کہا مانیں گے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شخص اللہ کی رضامندی پر نظر رکھے دوسرا کوئی راضی رہے یا ناراض۔ جس طرح دنیا کے کاموں میں اپنے ماتحتوں سے نہیں دبتے بلکہ ان کو دباتے ہیں، اسی طرح دینیات کے بارے میں بھی ان کو دبا کر رکھیں اور دین پر چلائیں۔ ان کی خواہشوں کو دیکھ کر نہ ان کو گناہ کرنے دیں اور نہ خود گناہ گار بنیں۔ حکمت وموعظت کے ساتھ ان کو دین پر لگائیں اور دین پر چلائیں، پیار محبت، نرمی سے بھی کام لیں، اور عند الضرورۃ سختی اور مار پٹائی سے بھی دریغ نہ کریں۔

۱۳۔ بے عمل پیری مریدی کو باعثِ نجات سمجھا جاتا ہے: بہت سے لوگ فرائض وواجبات چھوڑے ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں اور اس دھوکہ میں ہیں کہ ہم فلاں پیر صاحب کے مرید ہیں، ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور ان کی سفارش سے بخش دیے جائیں گے۔ بے عملی اور بدعملی کا یہ بہانہ جاہلوں میں بہت رواج پائے ہوئے ہے۔

جو پیر ومرشد اہلِ حق ہیں اور واقعی مرشد ہیں وہ تو خود بھی حساب اور عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور راتوں کو خدا کے خوف سے رو رو کر ڈھیر کر دیتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی آخرت کی فکر پر ڈالتے ہیں وہاں کے حساب اور عذاب سے ڈراتے ہیں اور بار بار متنبہ کرتے ہیں کہ شریعت پر چلو، لیکن دنیادار پیر جو پیر نہیں ہیں دنیا کمانے کے لیے پیر بنے ہیں اور دنیادار پیروں کے گدی نشین ہیں ان کو تو بس مال ملنا چاہیے، مریدوں میں سالانہ چکر لگا کر بڑے بڑے مال وصول کر کے لاتے ہیں اور مریدوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہمیں تمہارا یہ سالانہ نذرانہ دینا ہی تمہاری بخشش کے لیے کافی ہے۔ اللہ کے بندو! ان پیروں کی جھوٹی باتوں پر آکر ہرگز اپنی آخرت تباہ نہ کرو،

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہوش دیا ہے سمجھ دی ہے، آخرت میں یہ حیلہ کام دینے والا نہیں ہے کہ پیر صاحب نے ہم سے یوں کہا تھا اور ہم ان کو ہر سال نذرانہ دیتے رہے تھے۔

۱۴۔اس حیلے کا جواب کہ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں: بعض لوگوں نے اپنی بدعملی کے لیے یہ بہانہ تلاش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت اور نماز، روزے کی کیا پروا ہے، وہ تو بڑا بے نیاز ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کو کسی کی عبادت سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کسی کی گناہ گاری سے اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے، وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور غنی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی مخلوق اس کی عبادت اور فرماں برداری سے بے نیاز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی کوئی حاجت وضرورت نہیں، لیکن کیا آپ کو بھی کوئی نفع اور فائدہ نہیں چاہیے؟ نیک اعمال پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے وعدے فرمائے ہیں ان سچے وعدوں سے منہ پھیر کر آخرت کی نعمتوں سے آپ کیوں بے نیاز ہو رہے؟ اور گناہ کرنے پر جو عذاب کی وعیدیں ہیں ان سے آپ نڈر ہو کر اپنی بربادی کیوں کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو جنت نہیں چاہیے؟ یہ کہہ کر بے عمل ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت سے کوئی فائدہ نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض یوں کہے کہ میں اس وجہ سے دوا نہیں کھاتا کہ حکیم صاحب کو میرے دوا کھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس احمق کو سب یہی سمجھائیں گے کہ حکیم صاحب کو تیرے دوا کھانے سے فائدہ نہیں تو تجھے تو ہے، دوا نہ کھائے گا تو مرض بڑھے گا اور تو ہلاک ہوگا۔

بھلا! یہ بھی کوئی سمجھ داری کا جواب ہے کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کو میری عبادت سے کچھ فائدہ نہیں اس لیے میں فرائض اور واجبات کو چھوڑ کر اور گناہ گاری کی زندگی گزار کر اپنے آپ کو دوزخ میں دھکیل رہا ہوں۔ اللہ سمجھ دے اور آخرت کی فکر دے۔ آمین!

۱۵۔جاہل فقیروں کا یہ کہنا کہ وہ مقامِ فنا تک پہنچ گئے ہیں عمل کی ضرورت نہیں:

بعض جاہل فقیر فرائض اور واجبات کا اہتمام نہیں کرتے اور طرح طرح کے گناہوں میں ملوث رہتے ہیں، کبھی یوں کہتے ہیں کہ ہم مقامِ فنا تک پہنچ گئے ہمارا وجود ہی نہیں رہا جس کا وجود ہی نہیں وہ کسی عمل کا پابند نہیں، کبھی کہتے ہیں کہ سمندر کو پیشاب کا قطرہ ناپاک نہیں کرسکتا۔

یہ حیلے بہانے ان کو شیطان نے سمجھائے ہیں تاکہ ان کو دوزخ میں دھکیل دے، سب کو معلوم ہے کہ مخلوق میں حضور نبی کریم ﷺ سے بڑا اور برتر کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے زیادہ آپ کو حاصل ہے پھر بھی آپ عبادت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ نبیوں کے بعد حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ہے، حضورِ اکرم ﷺ ان کو ہمیشہ آخرت کا فکر مند بنائے رکھتے تھے، اور ان کو گناہ کرنے کی وعیدیں بتاتے تھے اور نیکیوں کے ثواب سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ ان میں سے تو کسی کو بھی اتنا قرب حاصل نہ ہوا اور نہ کوئی ریاضت ومجاہدہ کر کے مقامِ فنا کو پہنچا جو عبادت وطاعت سے بے نیاز ہو جاتا اور گناہوں کی کھلی چھٹی ہو جاتی۔ یہ جاہل فقیر جو علم اور عمل دونوں سے خالی ہیں اور گناہوں میں لت پت ہیں اور بہت سے ان میں ایسے ہیں جو کفریہ کلمات کہہ دیتے ہیں یہ کیسے اپنے آپ کو دوزخ، قبر اور حشر کے عذاب سے محفوظ سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے۔

۱۶۔ بعض جاہلوں کا یہ کہنا کہ اصل مقصد اللہ کی یاد ہے ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں:

بعض جاہل فقیر یہ کہتے ہیں کہ اصل مقصود اللہ کی یاد ہے، نماز، روزہ کے ظاہری اعمال ان لوگوں کے لیے تجویز کر دیے گئے ہیں جو مرتبہ ذکر تک نہیں پہنچے اور جن کو درجۂ یقین حاصل نہیں ہوا۔ یہ حیلہ بھی شیطان نے سمجھایا ہے۔ اللہ کے رسول سرورِ انبیا، سرورِ کائنات ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحبِ یقین نہیں ہے۔ آپ کو جو یقین حاصل تھا (کہ آسمانوں کی سیر فرمائی اور جنت ودوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا) ایسا یقین کسی کو حاصل نہیں۔ اس کے باوجود آپ عبادت بہت زیادہ کرتے تھے، سب سے زیادہ مرتبۂ ذکر حاصل ہونے اور سب سے زیادہ یقین ہونے کے باوجود آپ عبادت سے بے نیاز نہیں ہوئے۔ یہ جاہل جھوٹے صوفی جو سراسر اللہ کی یاد سے غافل ہیں اپنے کو مرتبۂ ذکر میں پہنچا ہوا بتا کر کیسے عبادت سے جان چھڑا رہے ہیں؟ یہ جان چھڑانا درحقیقت اپنی جان کو دوزخ میں دھکیلنا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور لوگوں کو ان کے شر سے بچائے آمین۔

بعض ایسے جاہل فقیر بھی ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو وصول ہو گیا، عبادت کی ضرورت نہیں رہی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں محققین صوفیا نے فرمایا کہ

صَدَقُوْا فِي الْوُصُوْلِ لٰكِنْ إِلٰى جَهَنَّم.

یعنی ان لوگوں نے یہ جو کہا کہ ہمیں وصول ہوگیا، ان کا یہ کہنا تو ٹھیک ہے کہ پہنچ گئے (وصول پہنچنے کو کہتے ہیں) لیکن انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ کہاں پہنچے؟ اللہ تک پہنچنے کے بجائے دوزخ میں پہنچ گئے۔ کیا دوزخ پہنچنا بھی کوئی محبوب اور مرغوب چیز ہے؟ چند جاہل جو ایسے جاہل فقیروں کے پاس جمع رہتے ہیں ان کو یہ پیر دھوکہ دیتے رہتے ہیں، اور شیطان ان پیروں کو دھوکہ دیتا ہے، خود بھی ڈوبے ہیں اور اپنے مریدوں اور پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی ڈبو رہے ہیں أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

۱۷۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ہمیں مولوی کا دین نہیں چاہیے: بہت سے لوگ اپنی بے عملی کے لیے یہ بہانہ ڈھونڈھتے ہیں کہ ہم مسلمان تو ہیں، لیکن ہمیں مولوی کا دین نہیں چاہیے۔

اس بہانے کی ضرورت ان لوگوں کو اس لیے پیش آئی کہ حضراتِ علمائے کرام جو اَحکام ومسائل بتاتے ہیں اور حلال وحرام کی تفصیلات خوب کھول کر بیان کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کو جاری اور نافذ کرنے کی تاکید فرماتے ہیں، ان اَحکام پر چلنا لوگوں کو ناگوار ہے۔ اور چوں کہ مسلمان ہونے کے دعوے دار بھی ہیں اور ساتھ ہی اَحکامِ اسلامیہ پر عمل کرنے سے نفس گھبراتا ہے، اور یوں کہنے کو بھی تیار نہیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں اس لیے یہ بہانہ تراشا کہ ہمیں مولوی کا دین نہیں چاہیے۔ خدانخواستہ مولویوں نے اپنے پاس سے تو دین نہیں بنایا، اور اپنے گھر سے مسائل نہیں گھڑ لیے۔ وہ تو جو تفصیلی اَحکامات بتاتے ہیں قرآن وحدیث سے اخذ کر کے بیان کرتے ہیں۔ جس شخص کو مولوی کا دین نہیں چاہیے اور وہ مسلمان ہونے کا مدعی بھی ہے وہ خود علمِ دین سیکھے اور دین کی پوری تفصیلات جانے اور ان پر عمل کرے۔ جنہوں نے برس ہا برس خرچ کر کے علمِ دین حاصل کیا ہے اگر ان پر بھروسہ نہیں تو خود قرآن وحدیث پڑھو اور دینی اَحکام سیکھو، پھر اپنے علمِ صحیح کے مطابق عمل کرو۔ علمِ دین بھی نہ پڑھیں، اور علمائے دین پر بھروسہ بھی نہ کریں، اور جہالت میں پڑے رہیں اور شریعت کی خلاف ورزی کرتے رہیں، اٹکل پچّو الٹی سیدھی باتیں کرتے رہیں اور یوں کہیں کہ مولویوں کا دین نہیں چاہیے، یہ تو سراسر بربادی کا راستہ ہے۔ اگر مولویوں کا دین نہیں چاہیے تو کیا شیطان کی راہ پر چلیں گے؟ یا یہود ونصاریٰ کے

طریقوں کو اختیار کر کے ہلاکت میں پڑیں گے؟ خود غور کریں کہ کیا یہ حیلے بہانے آخرت میں کام دے سکتے ہیں؟ شریعت کی خلاف ورزی کرنے پر جو آخرت میں پکڑ ہوگی تو کیا یہ جواب کام دے گا کہ نہ ہم علمِ دین حاصل کرنے پر آمادہ تھے اور نہ مولویوں پر بھروسہ کرتے تھے؟

۱۸۔تصویر بنانے والوں کا حیلہ اور ان کی تردید: بہت سی احادیث میں تصویر بنانے کی سخت ممانعت آئی ہے اور اس پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں، دورِ حاضر کے لوگوں کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ تصویریں کھینچنے اور کھنچوانے کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اور دیدہ و دانستہ، قصداً و ارادۃً تصویر کھینچتے اور کھنچواتے ہیں اور اس میں ذرا بھی گناہ محسوس نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص منع کرے تو کہتے ہیں کہ صاحب! عرب بت پرست تھے جنھوں نے حضورِ اقدس ﷺ کی دعوت اور تبلیغ کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا، اور بت پرستی کا مادہ ختم کرنے کے لیے تصویر تک کو حرام قرار دے دیا گیا تھا اب جب کہ مسلمانوں میں بت پرستی نہیں رہی، لہٰذا تصویر کی حرمت بھی نہیں رہی، لہٰذا اب تصویر کھینچنا کھنچوانا العیاذ باللہ! جائز ہو گیا۔

یہ ان لوگوں کی جاہلانہ دلیل ہے اور انہوں نے تصویر کو جائز قرار دینے کے لیے یہ حیلہ تراشا ہے، اور تصویر کے حرام ہونے کی جو علت انہوں نے نکالی ہے خود تراشیدہ ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے تو یوں نہیں فرمایا تھا کہ چوں کہ عرب نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اس لیے تصویر کشی کو حرام قرار دے رہا ہوں، پھر جب بت پرستی سے مسلمان محفوظ ہو جائیں گے اس وقت تصویر حلال ہو جائے گی۔ احادیث شریفہ میں جو ممانعت آئی ہے وہ تو عام اور مطلق ممانعت ہے، اپنی طرف سے علت گڑھنا اور شریعت کے حکم کو بدل دینا بڑی بے دینی کی بات ہے۔ حدیث شریف میں تو تصویر کی ممانعت کی یہ علت بتائی ہے کہ

يُضَاهُوْنَ خَلْقَ اللّٰهِ[1]

کہ یہ لوگ اللہ جل شانہٗ کی خالقیت میں مقابلہ کرتے ہیں۔

۱۹۔نوٹ اور پاسپورٹ کی تصویر کا حیلہ: بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر تصویر حرام ہے تو آپ لوگ پاسپورٹ کے لیے تصویر کیوں کھنچواتے ہیں؟ اور نوٹوں میں بھی تو تصویر ہے نوٹ

[1] مشكاة المصابيح (ص: ۳۸۵) عن البخاري ومسلم

پاس کیوں رکھتے ہیں؟ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب نوٹ اور پاسپورٹ کی تصویر جائز ہے تو ہر تصویر جائز ہونی چاہیے۔ شیطان نے یہ حیلہ بھی خوب سمجھایا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پاسپورٹ پر فوٹو لگانے کا قانون جس کسی نے بنایا ہے اس نے قانونِ خداوندی کی صریح مخالفت کی ہے، جن ممالک کے سربراہ مسلمان ہیں ان پر واجب ہے کہ اس قانون کو واپس لیں اور دوسرے امتیازات اور نشانات کا اندراج کر کے پاسپورٹ بنائیں۔

سب مسلمان اپنے مذہب پر جمیں تو پوری دنیا بھی اطاعت کرے گی:

سب مسلمان ممالک آپس میں اس پر عمل کریں اور بغیر فوٹو کا پاسپورٹ آپس میں تسلیم کریں، جب اس پر جمیں گے اور سب مل کر یہ اعلان کردیں گے کہ ہمارے یہاں پاسپورٹ بغیر تصویر کے ہوگا کیوں کہ ہمارے نبی پاک ہادیٔ عالم ﷺ نے تصویر کشی سے منع فرمایا ہے تو بین الاقوامی دنیا بھی اس کو تسلیم کرے گی، کیوں کہ سب جان لیں گے کہ یہ لوگ اپنے دین سے مجبور ہیں۔ دیکھو! سکھ قوم دنیا میں جہاں بھی ہے اس کی خوب بڑی بڑی ڈاڑھیاں ہیں اور پگڑی باندھنے کو لازم سمجھتے ہیں، دنیا کی قوموں کو معلوم ہے کہ یہ قوم اپنے مذہب کی پابند ہے اس لیے سب ان کا لحاظ کرتے ہیں وہ فوجوں میں بھی ہیں اور پولیس میں بھی ہیں لیکن وردی میں ان کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے، دوسری قوموں کے سپاہی وردی میں پگڑی نہیں باندھ سکتے لیکن سکھ پگڑیاں باندھے ہوئے فوجوں میں بھی شامل ہیں اور حکومتوں کے دوسرے محکموں میں اپنی پگڑی باندھے ہوئے کام کرتے ہیں، ان کو کوئی بھی مجبور نہیں کرتا کہ پگڑیاں اتار دو اور دوسری قوموں کی طرح وردی میں رہو۔ اگر ہم اپنے دین پر مضبوط ہوں تو ساری دنیا کی قومیں ہماری مذہبی مضبوطی کو دیکھ کر ہمارے لیے ایسے قوانین بنانے پر مجبور ہوں گی جو ہمارے دین کے مخالف نہ ہوں۔

اسی طرح سے جو مسلمان حکمران ہیں ان پر لازم ہے کہ بغیر تصویر کا نوٹ شائع کریں، لیکن چوں کہ مسلمان حکمران غیر قوموں کی دیکھا دیکھی پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کو لازم قرار دے چکے ہیں اور نوٹ بھی بغیر تصویر کے نہیں چھاپتے اس لیے مجبوراً فوٹو کھنچوانا پڑتا ہے اور نوٹ استعمال کرنے ہوتے ہیں۔

حالتِ اضطرار و اختیار میں فرق: مجبوری میں کسی کام کا جائز ہونا اور بات ہے اور بغیر

مجبوری کے اس کو اختیار کرنا دوسرا امر ہے۔ مجبوری والی چیز پر بغیر مجبوری کی چیز کو قیاس کرنا قیاسِ باطل ہے۔ دیکھو! جب بھوک کی وجہ سے جان جارہی ہو تو مردار کا گوشت بھی کھانا جائز ہے وہ بھی چند لقمے جس سے جان بچ جائے، اس موقع پر بھی پیٹ بھر کھانا جائز نہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ بغیر مجبوری کے مردار کھانے کی ذرا بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص مردار کھائے اور یوں کہے کہ جو شخص بھوک سے مر رہا ہو چوں کہ اسے مردار کھانے کی اجازت ہے اس لیے میں بلا مجبوری بھی کھاتا ہوں تو ایسے شخص کو سب احمق اور جاہل کہیں گے۔ جب پاسپورٹ، شناختی کارڈ کی مجبوری نہ ہو تو لہو ولعب کے طور پر فوٹو کھنچوانا اور اس کو آرٹ سمجھنا اور ممانعت کی احادیث ِشریفہ پیش کرنے والے کو دقیانوسی قرار دینا اور اس کو مذاق بنانا کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟ اپنے ایمان سے فیصلہ لے لیں۔

۲۰۔ مصری علُما تصویر کو جائز کہتے ہیں اس حیلہ کی تردید: بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ مصر کے علُما تو تصویر کو جائز کہتے ہیں، ہندوستان پاکستان کے مولویوں کو کیا ہوا کہ یہ تصویر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں؟ اور کیا مصر کے علُما نے حدیث نہیں پڑھی؟

ہند و پاک اور مصری علُما میں فرق: ان لوگوں کو مصری علُما کا حال معلوم نہیں ہے۔ علمائے مصر میں تقویٰ کی شان بہت کم ہے، وہاں تو محدّث ومفسِّر ومفتی ڈاڑھی منڈے ہوتے ہیں، اور یورپ کے فیشن اور فسق کے سیلاب میں اپنے آپ کو بہا چکے ہیں۔ وہاں جو فیشن اور آرٹ رواج پکڑ لے اس کو ترقی سمجھ کر جائز کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ اور احادیثِ شریفہ کی بے جا تأویلیں کرتے ہیں۔ اور ہمارے اکابر ومشائخ جنہوں نے ہندوستان اور پاکستان میں دینی خدمات انجام دی ہیں اور علمِ صحیح اور عملِ صحیح پر قائم ہیں، اور تقویٰ وطہارت سے اللہ پاک نے ان کو نوازا ہے وہ ہر نئی چیز کا حکم قرآن وحدیث اور کتبِ فقہ میں تلاش کرتے ہیں، رواج کی رَو میں نہیں بہہ جاتے، وہ ڈنکے کی چوٹ سے حق ظاہر کرتے ہیں، گناہ کو گناہ اور ثواب کو ثواب بتاتے ہیں۔ مصر کے علُما عوام کا حال چال دیکھ کر کچے پڑ گئے اور حدیثوں میں تأویل کرنے لگے۔ ہمارے علُما حق پر جمے ہوئے ہیں، ہمیشہ حق واضح کرتے ہیں۔ اہلِ حق واہلِ تقویٰ علُما ہی کا اتباع لازم ہے۔ وہ کیا عالم ہے جو رواج کی رو میں بہہ جائے اور صرف دنیا واہلِ دنیا پر نظر

رکھے اور اظہارِ حق سے کترائے۔

۲۱۔ کاغذی تصویر اور مجسمہ میں فرق کرنے والوں کی غلطی: کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تصویر کو جائز کرنے کے لیے یہ تاویل کرتے ہیں کہ مجسمہ (یعنی مورتی) بنانا اور رکھنا حرام ہے، اور تصویر ہوتے ہوئے گھر میں فرشتوں کا داخل نہ ہونا ایسی مورتی سے متعلق ہے، اور کاغذ وغیرہ پر جو تصویر ہو کیمرہ سے لی جائے یا ہاتھ سے بنائی جائے یہ (العیاذ باللہ!) ممانعت میں داخل نہیں۔

یہ ان لوگوں کی تأویل غلط ہے۔ احادیث شریفہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک کے مفتی اور محقّق ومحدّث حضرات نے احادیثِ شریفہ سے یہی سمجھا ہے کہ مُورتی بنانا اور کاغذ اور دیوار وغیرہ پر تصویر بنانا، یا کیمرے وغیرہ سے تصویر لینا اور رکھنا یہ سب حرام ہے، اور گھر یا دکان میں ان میں سے کوئی بھی تصویر ہو تو رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ چوں کہ تصویر کشی عام ہوگئی اور گھر گھر کیمرے آگئے اس لیے نفس کو بہلانے کے لیے یہ بہانہ نکالا گیا ہے کہ مورتی حرام ہے اور کاغذ پر جو تصویر ہو وہ حرام نہیں ہے تاکہ تصویر کشی کرتے رہیں اور گھروں اور دکانوں میں تصویریں لٹکاتے رہیں، اور اپنے خیال میں گناہ گار بھی نہ ہوں۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے تأویل کرنے اور گھما پھرا کر حرام کو حلال کہہ دینے سے حرام حلال نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لیں کہ گناہ، گناہ ہی ہے تأویل کرنے سے حلال نہیں ہوجاتا۔ پھر ہم تو دیکھتے ہیں کہ صرف کاغذی تصویروں پر ہی فیشن کے دل دادہ اکتفا نہیں کرتے بلکہ مورتیاں الماریوں میں رکھے رہتے ہیں۔

آرٹ کے نام سے جہاں اور بہت سے گناہ زندگی میں شامل ہوگئے ہیں ان میں تصاویر بنانا، کیمرے لیے لیے پھرنا، تصویروں سے گھروں اور دکانوں کو سجانا بھی شامل ہے۔ جہاں کسی کے پاس چار پیسے ہوئے بناوٹ، سجاوٹ، کیمرہ، تصویر، مورتی اور مجسمہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ہزار سمجھاؤ کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے مگر ذرا کان دھرنے کو تیار نہیں۔ جب یورپ وامریکہ کو پیشوا بنالیا تو مکہ ومدینہ کا رُخ کرنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی، یہ سید ہیں، یہ علوی ہیں، یہ صدیقی ہیں، یہ فاروقی ہیں، یہ عثمانی ہیں، یہ زُبیری ہیں، یہ چشتی ہیں، یہ قادری ہیں بس نام ونمود کی نسبتوں تک ہیں، معاشرہ میں اور گھر بار کے رہن سہن میں تو نصرانی معلوم ہوتے ہیں۔ الماری میں ایک کتّا رکھا ہوا ہے، موٹر کار میں ایک گڑیا جھول رہی ہے، سامنے کسی

کا فوٹو آویزاں ہے، دفتر میں کسی کا اسٹیچور کھا ہوا ہے۔ اللہ کی پناہ! کیا مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں؟ جنہیں فرمانِ رسول اللہ ﷺ کی ذرا پروا نہیں، اور جن کو رحمت کے فرشتوں سے بیر ہے ان کا گھر میں آنا پسند نہیں۔

تصویر بنانے والوں کو عذاب: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری طرح خلقت پیدا کرنے لگے؟ اگر پیدا کرنے کا حوصلہ ہے تو ایک ذرّہ یا ایک حبہّ یا ایک جَو کا دانہ پیدا کرکے دکھائیں (یعنی ایک ذرّہ بھی وجود میں نہیں لا سکتے ہیں، پھر صورتیں بنانے کے شغل میں کیوں لگے ہوئے ہیں۔) [1]

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو صفتِ خلق میں اللہ تعالیٰ کے مشابہ بنتے ہیں (یعنی تصویریں بناتے ہیں)۔ [2]

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر مصوِّر دوزخ میں ہوگا، جتنی صورتیں بنائی تھیں ان میں سے ہر تصویر ایک جان دار چیز ہوگی جس کے ذریعہ اس کے بنانے والے کو عذاب ہوگا۔ [3]

نیز ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھتی ہوگی، اور دو کان ہوں گے جن سے سنتی ہوگی، اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتی ہوگی۔ (اور) وہ کہے گی کہ تین طرح کے لوگوں پر مسلط کی گئی ہوں: ۱۔ ہر ظالم ضدی ۲۔ ہر وہ شخص جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنایا ۳۔ تصویر بنانے والے لوگ۔ [4]

مسئلہ: جس چیز میں جان نہ ہو اس کی تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا درست ہے جیسے درخت وغیرہ، ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جو کفر کا شعار ہو تو بے جان کی تصویر سے بھی پرہیز لازم ہے جیسے عیسائیوں کی صَلِیب وغیرہ۔

کیمرہ سے تصویر لینا بھی حرام ہے: تنبیہ: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں جس تصویر کشی کی ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے متعلق ہے، اور کیمرہ سے جو تصویر اتاری جاتی ہے وہ چوں کہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتی اس لیے وہ جائز ہے، یہ خیال غلط اور فاسد ہے، شیطان کی

---

[1] مشكاة المصابيح (ص: ۳۸۵) عن البخاري ومسلم [2] حوالہ سابقہ [3] حوالہ سابقہ

[4] مشكاة المصابيح (ص: ۳۸٦) عن الترمذي

سجھائی ہوئی دلیل ہے، اصل مقصد تصویر بنانے کی حرمت ہے خواہ کسی بھی آلہ سے بنائی جائے۔

۲۲۔ اہلِ بدعت کا حیلہ کہ ریل، ہوائی جہاز بھی تو بدعت ہے: جب اہلِ بدعت کو کسی بدعت پر تنبیہ کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے، تو بجائے اس کو ترک کرنے کے اُلٹا منع کرنے والے پر اعتراض جڑ دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ چوں کہ ہم نے اس پر اعتراض جڑ دیا اس لیے ہمارا عمل بدعت نہیں رہا۔ مثلاً جب کسی بدعتی سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ عمل بدعت ہے تو جھٹ یوں کہنے لگتے ہیں کہ ریل بھی بدعت ہے، ہوائی جہاز بھی بدعت ہے تم ان میں کیوں سوار ہوتے ہو؟ یہ چیزیں حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کہاں تھیں؟ بلکہ بعضے اپنی جہالت کا مضبوط ثبوت دیتے ہوئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ تمہارا وجود بھی بدعت ہے، تم حضور ﷺ کے زمانے میں یا خلافتِ راشدہ کے دور میں کہاں تھے؟ بدعتیوں نے اپنی بدعت پر جمنے کے لیے یہ حیلہ خوب تراشا ہے، اور سمجھتے ہیں کہ بدعتیں جائز کرنے کے لیے ہم بہت دور کی کوڑی لائے ہیں۔

بدعت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی: ان لوگوں کو یہ ہی معلوم نہیں کہ بدعت کسے کہتے ہیں۔ بدعت کا تعلق دینی اعمال سے ہے دنیاوی انتظامات اور استعمالی اشیا سے نہیں ہے۔ بدعت کا یہ مطلب کہ جو بھی کوئی چیز عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے، چاہے دنیاوی منافع کی چیزیں ہوں چاہے نئی ایجادات ہوں، چاہے انسانوں کا وجود ہو، یہ بالکل غلط ہے۔ بدعت کیا ہے؟ اس کو تو حضورِ اقدس ﷺ نے خود ہی ارشاد فرما دیا کہ

مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.[1]

یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالے، جو ہمارے دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو نئی نکالی جائیں اور دین میں داخل کی جائیں، بس ریل اور ہوائی جہاز کی مثال دینا بالکل جہالت کی بات ہے۔

پھر اگر ریل، ہوائی جہاز آپ کے نزدیک بدعت ہے تو آپ اس سے بچیں کیوں کہ حدیث شریف میں تو كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فرمایا ہے۔ جو چیز بدعت ہے آپ اس سے

[1] مشكاة المصابيح (ص: ۳۰) عن أبي داود والترمذي وابن ماجه وأحمد

پرہیز کریں، دوسروں کو الزام دینے سے خود بدعت کرنا کیسے جائز ہو جائے گا؟

جو کوئی عالم بتائے کہ تم بدعت کررہے ہو، اگر اس بتانے والے پر بھروسہ نہ ہو تو دوسرے کسی عالم سے پوچھو جو واقعی عالم ہو اور بدعتیوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی مرضی کے مطابق مسئلہ نہ بتاتا ہو۔ اور جب کسی چیز کا بدعت ہونا ثابت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو، کٹ حجتی اور اُلٹے سیدھے سوال و جواب کرنے سے بدعت نیکی نہ بن جائے گی بلکہ وہ گناہ ہی رہے گی اور آخرت میں مواخذہ کی باعث ہوگی۔

۲۳۔ بدعتِ حسنہ کی تاویل کا جواب: بعض لوگ اپنے عمل کو بدعت تو مانتے ہیں لیکن یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے، حالاں کہ حسبِ فرمانِ نبی اکرم ﷺ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ہر بدعت گمراہی ہے اور بدعت سیئہ ہے، کوئی بدعت حسنہ نہیں ہے۔

بعض چیزیں جن کو بعض عُلَما نے بدعتِ حسنہ کہہ دیا ہے وہ درحقیقت بدعت نہیں ہیں وہ سنتیں ہی ہیں، ان کی اصل عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور عہدِ تابعین میں ملتی ہے، چوں کہ ان کی صورت اَحوال کے اعتبار سے کچھ بدل گئی اس لیے اس کو بعض عُلَما نے بدعتِ حسنہ کہہ دیا۔ اگر بعض عُلَما نے بعض چیزوں کو بدعتِ حسنہ کہہ دیا ہو تو اس سے ہر بدعت حسنہ کیسے ہو جائے گی؟ جتنی بدعتیں ہیں ان کو اہلِ بدعت حسنہ ہی کہتے ہیں۔ اس طرح سے تو چودہ سو سال سے لے کر گویا اب تک کسی بدعت کا وجود ہوا ہی نہیں، بدعتوں میں مبتلا رہیں اور ہر بدعت کو حسنہ کہتے جائیں اس طرح سے تو کوئی بدعت بدعت نہیں رہتی، اور سرورِ عالم ﷺ کے ارشاد کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کا کوئی معنیٰ و مصداق باقی نہیں رہتا۔

پھر سوال یہ ہے کہ سینکڑوں سنتیں موجود ہیں، حدیث شریف کی کتابوں میں صحیح سند سے مروی ہیں ان کو چھوڑ کر خود تراشیدہ طریقوں کو اختیار کرنا اور بدعتِ حسنہ کہہ کر ان پر مضبوطی سے جمنا (جب کہ قرآن وحدیث کا بھرپور علم رکھنے والے ان کو بدعت بتارہے ہوں) یہ کون سی سمجھ داری اور دین داری ہے؟ آخر سنتوں پر چلنا کیوں ناگوار ہے؟ بس یہی بات ہے نا، کہ نفسوں کو بدعتوں سے مانوس کرلیا ہے، اور سنتوں پر چلنے کے لیے نفس راضی نہیں۔

ذوقِ بدعت سنتوں پر نہیں چلنے دیتا: بدعتوں کو تو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں، اور ان

کو عملی اعتبار سے فرض وواجب کا درجہ دے رکھا ہے، لیکن جب سنت پیش کی جاتی ہے تو یوں کہہ کر چھوڑ دی جاتی ہے کہ سنت ہی تو ہے، یہ سراسر ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ سنت سے بچنا اور بدعت پر جمنا اور جو بدعت میں شریک نہ ہو اس کو نکّو بنانا اور یہ کہنا کہ یہ اہلِ سنت نہیں ہے، یہ عجیب جہالت کی بات ہے۔ جو بدعت سے بچے اور سنتوں پر چلے وہ اہلِ سنت نہ ہو، اور جو بدعتوں سے چمٹے اور سنتوں سے بھاگے وہ اہلِ سنت ہو جائے، یہ عقل کا دیوالیہ نہیں تو کیا ہے؟

عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ بدعتوں کو چھوڑیں اور سنتوں کو اختیار کریں، جن کا سنت ہونا صحیح السّند روایات سے ثابت ہے اور جن کے سنت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ایسے کام جو اپنے خیال میں بدعتِ حسنہ ہو اور علمائے حق کی تحقیق میں بدعتِ سیئہ ہو، آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ سے ڈرنے والا تو ایسے کام کبھی نہیں کرے گا جس میں ذرا بھی گناہ کا شائبہ وشبہ ہو۔

اگر انسانوں کے کہہ دینے سے دین بن جایا کرے اور خود ساختہ اعمال پر ثواب ملا کرے تو قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر اس کی اجازت دے دی جائے کہ جس کا جو جی چاہے طریقہ اختیار کرلے اور اسے بدعتِ حسنہ کا نام دے کر عمل کرتا رہے تو دین اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہ سکتا۔ دین کی حفاظت انہیں حضرات نے کی ہے جو سنت وبدعت کا فرق سمجھتے اور سمجھاتے رہے ہیں۔

سمجھ داری کی بات تو یہ ہے کہ جس چیز کو ثواب سمجھ کر کر رہے ہیں، اور اس کے نیکی ہونے کی صاف تصریح قرآن وحدیث میں نہیں ہے اور خود بھی اس کے بدعت ہونے کے اقراری ہیں (گو بدعتِ حسنہ کے ہی نام سے اقرار کررہے ہوں) اور علمائے محققین اسے بدعت سیئہ بتارہے ہیں تو اسے چھوڑ دیں۔ آخرت میں ایسے اعمال لے کر پہنچنا عقل مندی اور سمجھ داری ہے جن پر بے کھٹکے ثواب ملنے کی امید ہو، اور جن اعمال پر کسی درجہ میں بھی گرفت کا اندیشہ ہو ان سے پرہیز لازم ہے۔

۲۴۔مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا کس کا قول ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟

بہت سے لوگ اپنی بدعتوں کو نیکی بنانے کے لیے یہ عبارت پیش کرتے ہیں کہ مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ. اور کہتے ہیں کہ چوں کہ ہم مومن ہیں اور ہم نے یہ طریقہ نکالا ہے جسے ہم اچھا سمجھتے ہیں، لہٰذا اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

جو حضرات اس عبارت سے اپنی بدعتوں کے بدعتِ حسنہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں، ان لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ کس کا قول ہے؟ پس جاننا چاہیے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ بعض حضرات نے اس کو حدیثِ مرفوع یعنی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بتایا ہے، لیکن اس کی سند میں سلیمان بن عمرو النخعی ایک راوی ہے جس کے بارے میں محدثین نے فرمایا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا یعنی اپنے پاس سے بنالیتا تھا، لہٰذا حدیث مرفوع تو نہ ہوئی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے جو فرمایا ہے اس کے بارے میں سمجھ لیں کہ ان کا کلام اتنا ہی نہیں ہے، اس سے پہلے انہوں نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف فرمائی ہے پھر یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ ان کا پورا ارشاد اس طرح سے ہے:

إِنَّ اللّٰـهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَوَجَدَ قُـلُوْبَ أَصْحَابِهٖ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ، جَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهٖ، يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى دِيْـنِـهٖ، فَـمَـا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ، وَمَا رَاٰهُ سَيِّئاً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ سَيِّءٌ.[1]

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے بعد دوسرے بندوں کے قلوب کو دیکھا، پس بندوں کے قلوب میں سے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب کو سب سے بہتر پایا، پس ان کو اپنے نبی کے وزیر بنادیے۔ وہ آپ کی دین کی حفاظت کے لیے جہاد کرتے ہیں، پس جسے مسلمین نے اچھا سمجھا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے اور جسے مسلمین نے برا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پورا ارشاد سامنے آنے سے پتہ چلا کہ ان کے ارشاد میں مسلمین سے مراد حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ہر کہ ومہ (ہر چھوٹا اور بڑا) بے علم اور بے عمل مدعیٔ اسلام کو یہ درجہ دینا کہ وہ جو عمل چاہے ایجاد کرلے اور اس کا وہ عمل دینِ خداوندی میں داخل ہوجائے، یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود کے ذہن میں کہیں سے کہیں تک بھی نہ تھی۔ فَمَا رَاٰهُ الْـمُسْـلِمُوْنَ حَسَنًا پر جو ''فا'' کلمہ داخل ہے وہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کلام پہلے

[1] التعليق الممجّد على الموطأ للإمام محمد (ص: ١٤٤)

کلام سے مرتبط ہے، اور بطورِ عہدِ خارجی اس سے حضراتِ صحابۂ کرام مراد ہیں، بڑی لمبی تفسیر وتوضیح کے بعد جس کا کچھ حصہ ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

شارحِ موطأ کا ارشاد: حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ "**التعليق الممجّد على موطأ إمام محمد**" میں تحریر فرماتے ہیں:

فَإِذًا لَّا يَدُلُّ الْحَدِيْثُ إِلَّا عَلٰى حُسْنِ مَا اسْتَحْسَنَهُ الصَّحَابَةُ، أَوْ مَا اسْتَحْسَنَهُ الْكَامِلُوْنَ مِنَ الْاِجْتِهَادِ، لَا عَلٰى حُسْنِ مَا اسْتَحْسَنَهُ غَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ حَدَثُوْا بَعْدَ الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ وَلَا حَظَّ لَهُمْ مِنَ الْاِجْتِهَادِ مَا لَمْ يَدْخُلْ ذٰلِكَ فِيْ أَصْلٍ شَرْعِيٍّ.

پس اس تحقیق سے واضح ہوا کہ حدیث صرف اس عمل کے حسن ہونے پر دلالت کرتی ہے جسے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور اہلِ کمال مجتہدین رحمہم اللہ نے اچھا سمجھا، ان حضرات کے علاوہ جو علما قرونِ ثلاثہ کے بعد آئے اور جن کو اجتہاد کا کوئی حصہ بھی حاصل نہیں، ان کا پسند کیا ہوا کوئی عمل حسن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ چیز کسی اصلِ شرعی میں داخل نہ ہو۔

نیز حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بحث کے ختم پر لکھتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ، فَهٰذَا الْحَدِيْثُ نِعْمَ الدَّلِيْلُ عَلٰى حُسْنِ مَا اسْتَحْسَنَهُ الصَّحَابَةُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَقُبْحِ مَا اسْتَقْبَحُوْهُ، وَأَمَّا مَا اسْتَحْسَنَهُ غَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ فَالْمَرْجِعُ فِيْهِ إِلَى الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ أَوْ إِلٰى دُخُوْلِهٖ فِيْ أَصْلٍ مِّنَ الْأُصُوْلِ الشَّرْعِيَّةِ، فَمَا لَمْ يُوْجَدْ فِي الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ وَلَمْ يَسْتَحْسِنْهُ أَهْلُ الْاِجْتِهَادِ وَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ دَلِيْلٌ صَرِيْحٌ أَوْ مَا لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ مِنَ الْأُصُوْلِ الشَّرْعِيَّةِ فَهُوَ ضَلَالَةٌ بِلَا رَيْبٍ وَإِنِ اسْتَحْسَنَهُ مُسْتَحْسِنٌ.[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ حضراتِ صحابۂ رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ مجتہدین نے رحمہم اللہ جس چیز کو اچھا قرار دیا ہو وہ اچھی ہے اور جس کو قبیح قرار دیا ہو وہ قبیح

[1] التعليق الممجّد على موطأ للإمام محمد رحمه الله (ص: ١٤٤) باب قيام شهر رمضان وما فيه من الفضل.

ہے، لیکن ان حضرات کے علاوہ دیگر علُما نے جس کو اچھا قرار دیا ہو تو اس کے لیے دو باتوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے: یا تو قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو، یا اصولِ شرعیہ میں سے کسی اصل کے تحت داخل ہوتا ہو۔ پس جو چیز قرونِ ثلاثہ میں نہ پائی جائے اور اہلِ اجتہاد نے اس کو اچھا نہ سمجھا ہو اور اس کی کوئی دلیل صریح بھی موجود نہ ہو یا اصولِ شرعیہ میں سے کسی اصل کے تحت میں داخل نہ ہوتا ہو تو وہ بلا شک وشبہ گمراہی ہے اگرچہ کوئی اچھا سمجھنے والا اس کو اچھا سمجھے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ کوئی چیز حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور مجتہدین کاملین رحمہم اللہ کے علاوہ کسی کے اچھا سمجھنے سے اچھی نہ ہوجائے گی۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بدعتوں کا ذوق رکھنے والے عام طور سے وہی ہیں جو قرآن وحدیث کے بھرپور علم سے محروم ہیں، چاہے پیری ومریدی کرتے ہوں اور چوغے پہن کر اپنے کو عالم ہی ظاہر کرتے ہوں، اگر واقعی عالم بھی ہوں تو ائمہ مجتہدین کے بعد ان کی تقلید نہیں کی جاسکتی۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو بدعت وسنت کی تمیز ہی نہیں وہی بدعتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو جائز کرنے کے حیلے تراشتے ہیں، ان میں جو دوچار نام کے عالم ہیں وہ دوچار سطر بھی کتبِ حدیث میں صحیح نہیں پڑھ سکتے۔

بدعت بہت بُری بلا ہے، جو بدعتوں میں مبتلا ہیں ان کو توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ بدعت کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعت والے کی توبہ روک رکھی ہے جب تک وہ اپنی بدعت کو چھوڑ نہ دے۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہ کراکر ہلاک کردیا اور انہوں نے مجھے استغفار کرکے ہلاک کردیا۔ جب میں نے یہ ماجرا دیکھا تو میں نے ان کو ان کی خواہشات کے ذریعہ ہلاک کردیا، یعنی ایسے عقائد واعمال میں لگادیا جو انہوں نے اپنی خواہش کے مطابق تجویز کرکے دین میں داخل کرلیے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں، لہٰذا استغفار نہیں کرتے (اور اس طرح گناہ گار مرتے ہیں)۔[2]

۲۵۔ بدعتیوں کا ایک سوال کہ ممانعت دکھاؤ: بہت سے لوگ نہایت ہی دلیری کے ساتھ

[1] الترغيب والترهيب (۸٦/۱) عن الطبراني وإسناده حسن. [2] الترغيب والترهيب

بدعتوں میں لگے رہتے ہیں اور جب ان کو توجہ دلائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس عمل کی ممانعت دکھاؤ۔ یہ سوال بھی عجیب ہے۔ عمل کرنے والے پر لازم ہے کہ پہلے تحقیق کر کے عمل شروع کرے کہ شریعت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں، اگر بے ثبوت کام شروع کر دیا اور دوسرے نے اس کی ممانعت نہ دکھائی تو کیا اس سے وہ کام بدعت کے حدود سے نکل جائے گا؟ یہ تو سوال وجواب ہوا، سوال وجواب اور اعتراض والزام سے حقیقت تو ختم نہیں ہو جاتی۔ جو عمل بدعت ہے وہ بدعت ہی رہے گا۔ پھر یہ ممانعت دکھانے کا سوال عُلَما سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے کرتے ہیں جو قرآن وحدیث نہیں جانتے۔ ہر شخص کو اپنے عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ سے لینا ہے۔ اور معلوم ہے کہ بدعتوں پر مواخذہ ہے اور گرفت ہے، پھر دلیلِ ثبوت کے بغیر کیسے عمل شروع کر دیا؟

اہلِ بدعت جن اعمال کو کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے نیک ہو گئے۔ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو عمل نہیں کیا حالاں کہ وہ کر سکتے تھے اور کرنے کا موقع تھا، اس کو اہلِ بدعت بڑی دلچسپی سے کرتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز سے پہلے سورج نکلنے کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی، یہ آپ کا نہ پڑھنا ہی اس بات کی دلیل کافی ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نفل نہ پڑھے جائیں۔ صاحبِ ''ہدایہ'' نے اسی کو دلیل بنایا ہے اور فرمایا ہے:

لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ مَعَ حِرْصِهٖ عَلَى الصَّلٰوةِ.

اسی طرح نمازِ عید کے لیے عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ میں کبھی اذان نہیں پڑھی گئی، بس اس موقع پر ممنوع ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔ ہندوستان کے ایک شہر میں ایک مرتبہ عید کے لیے اذان پڑھ دی گئی، جب اہلِ علم نے اس پر ٹوکا تو یہ جواب دیا گیا کہ اس کی ممانعت دکھاؤ۔ اگر صریح ممانعت ہونے ہی سے اعمال ممنوع ہوتے تو جن چیزوں کی ممانعت کی تصریح نہیں ہے وہ تو اصل بدعت کے اصول پر یہ سب ثواب کا کام ہو جائیں گے۔

کوئی شخص سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کی جگہ التحیات پڑھے اور کہنے لگے کہ ممانعت دکھاؤ۔ رکوع سجدہ میں درود شریف پڑھے اور کہنے لگے کہ ممانعت دکھاؤ۔ ظہر کی پانچ رکعت پڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ ممانعت دکھاؤ تو ایسے شخص کا علاج اس کے سوا کیا ہے کہ کسی مشہور پاگل خانہ میں بھیج دیا جائے۔ جب دین پورا صریح واضح طریقہ پر صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے تو اس میں نئ

چیزیں نکالنے کی ضرورت کیا ہے؟ نئی چیزیں خود نکالیں اور جو شخص بتائے کہ یہ بدعت ہے اس سے کہیں کہ ممانعت دکھاؤ اور بدعت چھوڑنے کو تیار نہ ہوں اور بلا دلیل عمل کرتے رہیں، ایسے لوگوں پر شیطان کا پورا قبضہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ عمل بھی کریں اور گناہگار بھی ہوں اور آخرت میں پکڑے جاویں، کیوں کہ جس چیز کو نیکی سمجھیں گے اس سے توبہ کیے بغیر مر جائیں گے۔ اگر وہ سب کام جائز اور لائقِ ثواب ہوں جن کی صریح ممانعت قرآن وحدیث میں نہیں ہے تو لاکھوں چیزیں دین میں داخل ہو جائیں گی۔ بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بہت سی چیزوں کا حکم دیا ہے اور بہت سی چیزوں سے منع فرمایا ہے، اور ایسے اصول بتا دیے ہیں کہ جن سے نئے اعمال کے بارے میں جائز اور ناجائز کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ ان اصول کو ماہرین قرآن وحدیث ہی جانتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا کہ فلاں عمل بدعت ہے عوام کے لیے یہی کافی ہے۔ جو لوگ عالم بھی نہ ہوں، ماہرِ قرآن وحدیث نہ ہوں، بدعت خود تراشیں اور جب بھرپور علم رکھنے والے علمائے حق بتائیں کہ یہ بدعت ہے تو ان سے کٹ حجتی کریں اور ممانعت کی دلیل معلوم کریں حالاں کہ دلیل سمجھنے کے قابل بھی نہیں، یہ سراسر حماقت و بے وقوفی ہے۔ آخر ایسی کیا مصیبت ہے کہ نئی چیزیں خود نکال کر دین میں داخل کریں اور رسول اللہ ﷺ کی واضح سنتوں سے روگردانی کریں؟

۲۶۔ بدعت کو علما کا اختلاف سمجھنے کا جواب: بہت سے لوگ جو بدعتوں میں مبتلا ہیں وہ اس لیے بدعتوں کو نہیں چھوڑتے کہ اس کو علما کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح چاروں مذہبوں میں اختلاف ہے اور چاروں مذہب حق ہیں اسی طرح سے بعض فرقوں کا فروعی اختلاف ہے، ایک فریق بدعت کہتا ہے دوسرا فریق اسے اچھا بتاتا ہے، اور اختلاف کی وجہ سے دونوں طرف گنجایش ہوتی ہے لہٰذا ان بدعتوں کے کرنے کی بھی گنجایش ہے۔

یہ بھی شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اختلاف کے مواقع پر اس وقت گنجایش ہوتی ہے جب کہ اختلاف رکھنے والے دونوں طرف ائمہ مجتہدین ہوں جن کے پاس شرعی دلائل ہوں، ان میں ہر فریق دلیل پیش کرتا ہے اور راجح ومرجوح کا فرق جانتا ہے۔ جو بدعتیں رواج پائے ہوئے ہیں ان کے بدعت ہونے میں علمائے حق، متقی اور فکرِ آخرت رکھنے والے حضرات میں اختلاف نہیں ہے۔ کسی ایسے شخص کا اختلاف معتبر ہوتا ہے جس کے پاس قرآن وحدیث کا بھرپور علم ہو اور وہ

خواہشاتِ نفس کی وجہ سے کسی عمل کو ثواب نہ کہتا ہو، اور عوام کو راضی رکھنے کے بجائے وہ خداوندِ قدوس کو راضی رکھنا چاہتا ہو۔ ائمہ مجتہدین، اکابر علُما، ماہرین حدیث وفقہ فرمارہے ہوں کہ یہ بدعت ہے، لیکن ایک معمولی سی شد بد رکھنے والا بلکہ بالکل ہی بے پڑھا یوں کہہ دے کہ اس میں میرا اختلاف ہے، تو کیا اس سے وہ مسئلہ اختلافی بن جائے گا؟

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جن کو علم کی ہوا بھی نہ لگی، خواہ وہ کیسے ہی مشہور پیر ہوں یا مجلس میں رنگ جمانے والے مقرر ہوں ایسے ہی لوگ بدعتوں کے ساتھی ہیں، اپنی جہالت اور دنیاداری کی وجہ سے عوام کو بھی توبہ نہیں کرنے دیتے۔ پھر یہ اختلاف کا بہانہ ان چیزوں میں تو بالکل ہی کام نہیں دے سکتا جن کے بارے میں چاروں مذہبوں کی کتابوں میں بدعت ہونا لکھا ہے۔ اہلِ بدعت کو بس اپنی نکالی ہوئی بدعتوں کا ذوق ہے سنتوں سے گھبراتے ہیں بدعتوں سے چمٹتے ہیں۔

هَدَاهُمُ اللّٰهُ!

ہم نے یہاں بدعتوں کی قباحت اور ان کے گناہ ہونے پر زور دیا ہے، مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں مرنے جینے میں، بیاہ شادی میں، عبادات میں رواج پائے ہوئے ہیں، ان کی تفصیل لکھنے کے لیے مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر مشاغل سے فرصت ہوئی تو کبھی ان شاء اللہ اس موضوع پر لکھا جائے گا، لیکن بدعتوں کو بدعت سمجھنا اور بدعت سے بچنا کتاب لکھنے پر موقوف نہیں ہے۔ جو لوگ بدعتوں میں مبتلا ہیں اول تو وہ خود سمجھتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور علمائے حق بھی بتاتے رہتے ہیں، ضرورت تو بدعتیں چھوڑنے اور علمائے حق کی بات ماننے کی ہے۔ نام نہاد علُما اور مشایخ کسی ایسی چیز کو اگر ثواب بتائیں جس کو ماہرینِ قرآن وحدیث بدعت کہتے ہوں تو عوام پر لازم ہے کہ ان سے اس کے سنت وثواب ہونے کی دلیل طلب کریں، اِدھر اُدھر کی بات نہ مانیں۔ ان سے کہیں کہ قرآن وحدیث میں نہیں تو فقہ کی کتاب میں ہی نکال دو، اگر ایسا کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلدی بدعتوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔

۲۷۔ اصلاح کی نیت سے بدعتوں میں شرکت کی تردید: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ بدعتوں میں شرکت کر لیتے ہیں یا کم از کم اس کے بدعت کہنے سے خاموش رہتے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم نے فلاں بدعت کو کیوں روا رکھا اور اس میں کیوں شرکت کی، اور

مداہنت سے کیوں کام لیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ان لوگوں کو آہستہ آہستہ راستہ پر لا رہا ہوں، جب یہ مجھ سے مانوس ہو جائیں گے تو ان کو حقیقت سمجھا دوں گا اور بدعت سے روک دوں گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دوسروں کو راہ پر لانے کے لیے خود گناہ کرنا اور بدعت کے کاموں میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہے، اپنے دین پر باقی رہتے ہوئے، گناہوں سے بچتے ہوئے اور بدعتوں سے دور رہتے ہوئے دوسروں کی اصلاح کی جائے، نہ یہ کہ عوام کے ساتھ خود بدعت کی رو میں بہہ جائے۔ گناہوں اور بدعتوں کو دیکھتا رہے اور قدرت ہوتے ہوئے روک ٹوک نہ کرے، یہ ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔ دوسروں کو راہ پر لانے کے لیے خود گناہ میں ملوث ہو جانا یہ کوئی دین داری، سمجھ داری نہیں ہے، شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک عرصہ تک خود بدعتوں میں شریک ہوتے رہیں گے یا نظروں کے سامنے بدعتیں دیکھتے ہوئے خاموش رہیں گے تو پھر اصلاح کرنے کا کوئی راستہ نہ رہے گا۔ بدعتی لوگ ہرگز نہ مانیں گے اور الٹا الزام دیں گے کہ یہ چیز آج بدعت ہوگئی؟ پہلے جب آپ شریک ہوتے رہے یا خاموش رہے جب بدعت نہ تھی؟ اور پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ اس وقت ان لوگوں میں موجود رہیں گے جب آپ اپنے کو حق کہنے کے قابل سمجھیں گے۔

درحقیقت یہ حیلہ وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو اہلِ بدعت میں امامت یا مدرسی وغیرہ اختیار کر لیتے ہیں، مقصود نوکری ہوتی ہے اور بدعت کو اپنی نوکری باقی رکھنے کے لیے برداشت کر لیتے ہیں، اور دوسروں کو یوں سمجھا دیتے ہیں کہ ہم جب ان کو مانوس کر لیں گے تو راہ پر لے آئیں گے اندر سے دوسرا جذبہ ہوتا ہے اور ظاہری طور پر ان کی اصلاح کا حیلہ سامنے لے آتے ہیں۔ ہر شخص اپنا دل ٹٹولے اور خود اپنا محاسبہ کرے۔

۲۸۔ اصلاح کا بہانہ کر کے حرام آمدنی والوں کی دعوتیں کھانا: بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو لوگوں کے پاس اصلاح کرنے کے عنوان سے آتے جاتے ہیں اور بے تکلّف حرام آمدنی والوں کی دعوتیں اڑا لیتے ہیں، اور جب ان سے اس بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اگر ان لوگوں کی دعوت نہ کھائیں تو یہ ہم سے دور اور متنفر ہوں گے پھر ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہ رہے گی، اصلاح کے لیے خلا ملا کی ضرورت ہے۔

یہ عذرِ لنگ اور غلط حیلہ ہے۔ دوسروں کو راہ پر لانے کے لیے حرام کھانا جائز نہیں ہوجاتا۔ اپنے نفس کو حرام سے بچاتے ہوئے دوسروں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں، حرام کھانے کا بہت بڑا وبال ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ.[1]

یعنی جو گوشت حرام سے بڑھا ہو دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

ایسی شدید وعید ہوتے ہوئے حرام کھانے کی جرأت کرنا اپنی جان پر سراسر ظلم ہے۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ نفس کم کھانے یا ایک دو وقت فاقہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اس لیے حرام کھاتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح کا بہانہ تراشتے ہیں، أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا.

۲۹۔ غیر قوموں سے مشابہت رکھنے والوں کی دلیل کا جواب: بعض لوگ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں غیروں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اس کے لیے سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾[2]

اور ظالموں کی طرف مت مائل ہو، پس اس کی وجہ سے تم کو دوزخ کی آگ پہنچ جائے گی۔

اور حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.[3]

جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔

لوگوں کو جب مشابہت سے منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تم بھی تو روٹی کھاتے ہو جیسے کافر لوگ کھاتے ہیں۔ اور تم بھی تجارت وملازمت، اور صنعت وحرفت کے ذریعہ پیسہ کماتے ہو جیسے کافر لوگ کماتے ہیں، لہٰذا تم نے بھی غیروں کی مشابہت اختیار کر رکھی ہے۔ اپنے خیال میں ان لوگوں نے

---

[1] مشكاة المصابيح (ص:٢٤٢) [2] قال في" الكمالين" قوله: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (هود: ١١٣) بموادة أي لاتميلوا بمحبة أو مداهنة، وهي ترك الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، أو رضا بأعمالهم، أو التشبه بهم والتزي بزيهم أو ذكر بما فيه تعظيم لهم.

[3] رواه أحمد وأبو داود كما في المشكاة (ص:٣٧٥)

غیروں کی مشابہت کو جائز کرنے کے لیے بہت بڑا حیلہ تراشا ہے اور بڑے دور کی کوڑی لائے ہیں۔

ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مطلق مشابہت ممنوع نہیں ہے بلکہ وہ مشابہت حرام ہے جس سے کفر کا شعار ظاہر ہوتا ہے، اور جس سے کفار اور فساق وفجار کی ہیئت وصورت بنتی ہو۔ کافروں اور فاسقوں کی وضع قطع، شکل وصورت اور لباس میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں ان کا طور طریق اختیار کرنا سخت ممنوع ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ روٹی، چاول، کھانا، پانی پینا، حلال روزی کے طریقے اختیار کرنا اس مشابہت میں شامل نہیں جو ممنوع ہے۔ لوگوں نے بیاہ شادی، رنج وغم اور مرنے جینے کے مواقع پر بہت سی رسمیں نکالی ہوئی ہیں جن میں سے بعض ہندوؤں سے، اور بعض نصاریٰ سے لی ہیں۔ کھانے پینے کے طور طریق میں بھی نصاریٰ کو امام بنا رکھا ہے، رسول اللہ ﷺ کے طریقوں سے بچتے ہیں اور دشمنوں کے طور طریق اختیار کرتے ہیں، اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

۳۰۔ دوسروں کا گناہ اپنے سر لینے کی حماقت: بعض لوگ دنیاوی رسم ورواج پر دوسروں سے عمل کرانے کے لیے یا کسی بھی طرح کے گناہ میں مبتلا کرنے کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ تم یہ کام کرلو اس میں جو گناہ ہوگا یہ میرے ذمہ ہے۔

اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی شخص اگر کسی کا گناہ اپنے سر لینے کو کہے تو اس سے وہ گناہ کرنے والا اس گناہ کے گرفت وعذاب سے نہیں بچ سکتا، جب کہ اللہ جل شانہٗ نے یہ منظور نہیں فرمایا کہ ’’چوں کہ تیرا گناہ دوسرے نے اپنے اوپر اوڑھ لیا اس لیے تیرے سر سے گناہ اتر گیا‘‘ تو دوسرے کے گناہ کروانے سے گناہ کرکے مطمئن ہوجانا محض جہالت وحماقت ہے۔ پھر جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ تیرا گناہ میرے ذمہ ہے اس کو یہ حق کس نے دیا کہ دوسروں کے گناہ اپنے ذمہ لے کر اس بات کا ٹھیکہ لیتا پھرے کہ تو گناہ گار نہیں تیری جگہ میں گناہ گار ہوں گا، درحقیقت یہ ایک طرح سے عذابِ دوزخ کا انکار ہے۔

چوں کہ عذابِ دوزخ کا یقین نہیں اس لیے ایسی باتیں کہتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دوزخ نانی جی کا گھر ہے، وہاں جاکر لڈو ملیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے دوزخ کا اور گناہوں پر دوزخ میں جانے کا یقین ہو، اور دوزخ کے عذاب کا علم ہو کہ اس کی آگ دنیا والی آگ سے اُنہتر درجہ زیادہ گرم ہے وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے ہی کو تیار نہیں ہوسکتا، وہ تو ہر وقت وہاں کے عذاب

کے ڈر سے سہا ہوا رہے گا، اور بار بار گناہوں سے توبہ کرے گا اور عذاب کے تصور سے تھرّ ائے گا۔ دوسروں کے گناہ اپنے سر لینے کی ہمت وجرأت وہی کر سکتا ہے جسے اللہ ورسول ﷺ کی بات کے سچا ہونے میں شک ہو، جو دوزخ کو اور اس کے عذاب کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ آخرت کے میدان میں کوئی کسی کو نہ پوچھے گا، باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے دور بھاگے گا، متقیوں کی دوستیوں کے علاوہ ساری دوستیاں دشمنیوں سے تبدیل ہو جائیں گی، کوئی کسی کے گناہ لینے کو تیار نہ ہوگا۔ تعجب ہے کہ لوگ دوسروں سے گناہ کرانے کے لیے کس ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ تو گناہ کر لے اور تیرا گناہ میرے سر رہا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾[1]

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں سے کہ تم لو ہماری راہ اور ہم اٹھالیں گے تمہارے گناہ، اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ، بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے ہی بوجھ ساتھ اپنے بوجھوں کے، اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن ان باتوں کے بارے میں جو وہ جھوٹ بناتے تھے۔

کافروں نے مسلمانوں سے یہی کہا تھا کہ تم ہمارے دین پر چلو، ہماری راہ اختیار کرنے میں اگر گناہ سمجھتے ہو تو تمہارے گناہوں کی ساری ذمہ داری ہم اٹھالیتے ہیں، تمہارے گناہوں کا سارا بوجھ ہم اپنے سر رکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں، ذرہ بھر بھی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ ہاں! اپنا بوجھ بڑھا رہے ہیں، اپنی سرکشی اور بغاوت اور کفر وگمراہی کا بوجھ تو ان پر ہے ہی، دوسروں کو گمراہی کی دعوت دے کر مزید اپنے بوجھ اور عذاب میں اضافہ کر رہے ہیں۔ جن کو گمراہی کی دعوت دی وہ ان کی بات مانے یا نہ مانے، بہر حال گمراہی کی دعوت دینے کا بوجھ تو اپنے ذمہ اٹھا ہی لیا۔ کسی کے گناہوں کا بوجھ وہاں اٹھانے کو تیار نہ ہوں گے مگر ان پر دوسروں کا بوجھ لا د اضرور جائے گا ، اور جس نے ان کی گمراہی والی دعوت قبول کی اس کو بھی عذاب بھگتنا ہوگا۔

۳۱۔ قوم کی ترقی کے لیے گناہ کرنے کی حماقت: ایک لیڈر صاحب کا واقعہ سنا ہے جو

[1] العنکبوت: ۱۲، ۱۳

اہلِ علم اور دین دار بھی سمجھے جاتے تھے کہ انہوں نے ایک موقع پر خود دانستہ طور پر اپنی تصویر کھینچوائی اور کہا کہ اپنی قوم کی ترقی کے لیے میں نے یہ گناہ کیا، اپنی قوم کی ترقی کے لیے مجھے گناہ گار ہونا منظور ہے۔ واقعہ تو ہم نے ایک ہی صاحب کا سنا ہے جس سے اندازہ ہوا کہ اس مزاج کے اور لوگ بھی ہوں گے اس لیے یہاں اس کا ذکر کردینا مناسب جانا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گناہوں کی ترقی کا نام ترقی رکھنا نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کس چیز میں ہے؟ اور اگر ترقی بھی ہو تو وہ ترقی محمود و محبوب نہیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہو۔ گناہوں میں کون سی ترقی ہے؟ جو لوگ اس کو ترقی کہتے ہیں وہ اس ترقی کو جانتے ہی نہیں جس ترقی کی مؤمن بندوں کو ضرورت ہے، پھر کس نے اس کا پابند بنایا ہے کہ قوم کی ترقی کے لیے خود دوزخ میں چلے جاؤ؟ بات وہی ہے کہ دوزخ کا اور عذابِ دوزخ کا اندازہ نہیں ہے۔ گناہ کرنا اور پھر اس میں حکمت تراشنا اور قوم کی خیر خواہی کا بہانہ کرنا اسلامی تقاضوں سے اور قرآن وحدیث کی تصریحات سے صریح غفلت ہے اور فریبِ نفس ہے۔

یہ ترقی بھی عجیب مصیبت بن گئی ہے۔ لیڈرانِ قوم، مسلم قوم کی دنیاوی ترقی دیکھنا چاہتے ہیں خواہ گناہوں کے ذریعہ ہو، خواہ حرام مال کے ذریعہ ہو۔ مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کے لیے فکر مند ہیں، ان کی آخرت کی ترقی کے لیے نہیں سوچتے۔ اگر حرام میں پڑ کر گناہوں کے ذریعہ کچھ دنیاوی ترقی کر بھی لی اور موت کے بعد عذاب میں گرفتار ہوئے تو اس ترقی سے نقصان کے علاوہ کیا فائدہ ہوگا؟ اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ جہالت کی وجہ سے لوگ ایمانیات سے دور ہو رہے ہیں، عقیدے متزلزل ہیں، اسلامی عقائد واَحکام میں ان کو شک ہے جو غیر قوموں سے متأثر ہو کر ظاہر ہو رہا ہے، لیکن چوں کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں، اور نام مسلمانوں جیسے ہیں اسی لیے بحیثیت قوم کے انہیں مسلمان سمجھا جارہا ہے۔ جو لوگ حرام ذریعوں سے مال جمع کررہے ہیں اور بلڈنگیں بنا رہے ہیں، بہت سے لیڈر انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو! ہماری قوم نے ترقی کی۔ ان لوگوں کے نزدیک اسلام رہے یا نہ رہے، مسلمان نام کی قوم ترقی کرجائے تو خوش ہیں۔

مسلم قوم کا بقا اس میں ہے کہ ان کے عقائد صحیح ہوں، اعمال درست ہوں۔ اور ان کی ترقی اسی

میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ آخرت میں بلند درجات دلانے والے اعمال سے مالا مال ہوں، اپنے دین پر جمتے ہوئے حلال طریقوں سے مال نصیب ہوجائے تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے، لیکن اصل ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ ہیں، اس کی بقا کا فکرمند ہونا لازم ہے۔ مسلمان کوئی ذات برادری والی نسلی قوم نہیں ہے، ہر شخص اپنے اپنے عقیدہ اور عمل سے مسلمان ہوتا ہے۔

۳۲۔ خدمتِ خلق میں مشغول ہوکر نمازیں ضائع کرنے والے: کچھ لوگوں کو قوم کی ہمدردی کا ایسا جوش سوار ہے کہ قوم کی خدمت ہی کو انہوں نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ خدمت ہی میں لگے رہتے ہیں، اور اس خدمت کے ذیل میں بہت سے کبیرہ گناہ بھی کرجاتے ہیں حتیٰ کہ فرض نماز تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کوئی نماز اور دیگر فرائض کی طرف توجہ دلائے تو کہتے ہیں کہ صاحب! ہم نے نماز نہ پڑھی تو کیا ہوا؟ ہم خدمتِ خلق میں لگے ہوئے ہیں، یہ بھی تو ثواب کا کام ہے۔ اپنے آپ کو گناہوں میں مبتلا رکھنا اور دوسروں کی خدمت کرنا (علاج ومعالجہ کردینا یا دوا مفت دے دینا وغیر وغیرہ) اور یہ سمجھ لینا کہ ہمیں گناہوں سے بچنے اور فرائض کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے بہت بڑی گمراہی ہے۔

شریعت میں اعمال کی ترتیب ہے، کچھ فرائض ہیں، کچھ واجبات ہیں، کچھ سنتیں ہیں۔ خدمتِ خلق بھی ثواب کا کام ہے بشرطیکہ شریعت کے مطابق ہو، اس میں گناہ نہ ہوتے ہوں، اور فرائض وواجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ ہوتی ہو۔ نماز دین کا ستون ہے، ایمان کے بعد اسی کا مرتبہ ہے اگر نماز نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دینِ اسلام میں نماز کا مرتبہ ایسا ہے جیسا پورے جسم میں سر کا درجہ ہے[۱] (اگر سر کٹ جائے تو آدمی زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح تارکِ نماز کا دین باقی نہیں رہ سکتا)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

لَاتَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ.[۲]

یعنی فرض نماز ہرگز قصداً نہ چھوڑ، کیوں کہ جس نے فرض نماز قصداً چھوڑ دی اس سے اللہ تعالیٰ

---

[۱] الترغیب والترهيب (۲٤٦/۱) [۲] مشكاة المصابيح (ص:۱۸)

کا ذمہ بری ہوگیا۔

یعنی اب اللہ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہی کہ اس کو امن وامان اور عزت سے رکھے، اور مصائب دنیا اور عذابِ آخرت سے اس کو بچائے۔

ایک نماز کا کتنا بڑا مرتبہ ہے اس کے سمجھنے کے لیے حضورِ اقدس ﷺ کے اس ارشاد پر غور کریں:

اَلَّذِيْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ.[1]

یعنی جس کی نماز عصر جاتی رہی اس کا اسی قدر نقصان ہوا کہ جیسے اس کے اہل واولاد اور سارا مال ختم ہوگیا۔

جو حضرات اس دھوکہ میں ہیں کہ ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں، دوا مفت دیتے ہیں، گشتی شفاخانے قائم کر رکھے ہیں، ہم نے یہ نیک کام کرلیے اور نمازیوں نے نماز پڑھ لی، لہٰذا ہم اور وہ برابر ہوگئے۔ وہ حضورِ اقدس ﷺ کے ارشادِ ذیل کو غور سے پڑھیں۔

قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ. رواه أبو داود عن أبي هريرة رضي الله عنه.[2]

بلاشبہ قیامت کے دن بندہ کے اعمال کا جو حساب ہوگا ان میں سب سے اول نمبر پر نماز ہوگی، پس اگر نماز ٹھیک نکلی تو کامیاب اور بامراد ہوگا، اور اگر خراب نکلی تو ناکام ہوگا اور خسارہ میں پڑے گا۔

ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا درجہ ہے۔ اعمال میں وہ سب سے پہلے فرض ہوئی، اور قیامت میں بھی سب سے پہلے اسی کا حساب ہوگا، اور اس دن کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ نماز کے ٹھیک اور بے ٹھیک ہونے پر ہوگا۔ یہ جو فرمایا کہ ''نماز ٹھیک نکلی تو کامیاب وبامراد، ورنہ ناکام ہوگا'' اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ حساب کے وقت نماز کا ٹھیک نکلنا یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے موت آنے تک پابندی سے سب نمازیں ادا کی ہوں، بے وقت کرکے نہ پڑھی ہوں، فرائض

[1] مشكاة المصابيح (ص: ٦٠) عن البخاري ومسلم.

[2] كذا في المشكاة (ص: ١١٧) والحديث أخرجه الترمذي (٨٧/١)

وواجبات اور سنتوں کا دھیان رکھا ہو، نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ صحیح یاد ہو۔ جو حضرات نماز پڑھتے ہیں ان کو بھی فکرمند ہونے کی ضرورت ہے کہ ہم کیسی نماز پڑھتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر سخت تعجب ہے جو یا تو نماز پڑھتے ہی نہیں، اور اگر کبھی کبھار پڑھ بھی لیتے ہیں تو لاعلمی کی وجہ سے بہت سی غلطیاں کر لیتے ہیں۔ اور گمان ان کو یہ ہے کہ چوں کہ ہم خدمتِ خلق میں مشغول ہیں اس لیے نمازیوں سے ہمارا مرتبہ زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ حدیث شریف میں صاف بتادیا کہ اگر نماز ٹھیک نہ نکلی تو ناکامی اور نامرادی کا سامنا ہوگا، بلکہ ''موطأ'' کی ایک روایت میں یوں ہے۔

اگر نماز واپس کردی گئی تو باقی اعمال بھی رد ہوں گے:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْظَرُ فِيْهِ مِنْ عَمَلِ الْعَبْدِ الصَّلٰوةُ، فَإِنْ قُبِلَتْ مِنْهُ نُظِرَ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عَمَلِهٖ، وَإِنْ لَّمْ تُقْبَلْ مِنْهُ لَمْ يُنْظَرْ فِيْ شَيْءٍ مِنْ عَمَلِهٖ.[1]

یعنی سب سے پہلے بندہ کے اعمال میں سے جس کے بارے میں نظر کی جائے گی وہ نماز ہوگی، پس اگر نماز قبول کر لی گئی تو اس کے باقی اعمال کی بھی دیکھ بھال کی جائے گی۔ اور اگر اس کی نماز قبول نہ کی گئی تو اس کے دوسرے کسی عمل میں غور نہ ہوگا۔

حدیث مندرجہ ذیل پر بھی غور فرمائیں جو حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' [2] پر نقل کی ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **الصَّلٰوةُ ثَلَاثَةُ أَثْلَاثٍ: اَلطَّهُوْرُ ثُلُثٌ، وَالرُّكُوْعُ ثُلُثٌ، وَالسُّجُوْدُ ثُلُثٌ، فَمَنْ أَدَّاهَا بِحَقِّهَا قُبِلَتْ مِنْهُ وَقُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهٖ، وَمَنْ رُدَّتْ عَلَيْهِ صَلٰوتُهٗ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهٖ.**[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز (ثواب کے اعتبار سے) تین حصوں پر مشتمل ہے: ۱۔ ایک تہائی طہارت ۲۔ ایک تہائی رکوع اور ۳۔ ایک تہائی سجدہ۔ سو جس نے نماز کو اس طرح ادا کیا جیسا کہ اس کا حق ہے تو قبول کی جائے گی اور اس کے باقی اعمال بھی قبول کر لیے جائیں گے، اور جس کی نماز واپس کردی گئی اس کے باقی اعمال بھی واپس کردیے جائیں گے۔

[1] موطأ مالك مع تنوير الحوالك (١/١٤٤) [2] (١/٣٤١) [3] رواه البزّار، قال الحافظ: إسناده حسن)

جب سارے اعمال کی قبولیت کا دارومدار اسی نماز کی قبولیت پر ہے تو نماز نہ پڑھ کر یا خراب طریقہ پر پڑھ کر یا اس کی پابندی نہ کر کے اس خیال میں رہنا کہ اگر نماز نہ پڑھی تو کیا ہے؟ ہم اور بہت اچھے کام کرتے ہیں ان کی وجہ سے نجات پا جائیں گے اور کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ غلط خیال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز بتائی اور دیگر اعمالِ صالحہ سے بھی باخبر فرمایا اور خدمتِ خلق کا ثواب بھی بتایا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نماز ٹھیک نہ نکلی تو ناکام و نامراد ہوگا، اور نماز واپس کردی گئی تو سارے عمل واپس کر دیے جائیں گے۔ ہر ارشاد کو سامنے رکھو اور عمل کرو، اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے اپنے نفس کو نماز کی ادائیگی پر آمادہ کرنا لازم ہے۔ بہت سے لوگ الیکشن لڑاتے ہیں، عہدے حاصل کر لیتے ہیں، وزیر اور صدر تک بن جاتے ہیں دوسرے گناہوں میں تو ملوث ہوتے ہی ہیں خاص طور سے نماز کو ضائع کرتے ہیں۔ قوم کا درد لیے پھرتے ہیں، مگر اپنی جان کا درد نہیں کہ قیامت میں ہمارا کیا بنے گا؟ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ٥ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ٥ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا﴾[1]

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشوں کی پیروی کی، سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے، ہاں! مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا، سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں جائیں گے جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے۔

پس نماز کا اہتمام اور پابندی لازم ہے، توبہ کریں اور صالحین میں شمار ہوں تاکہ آخرت کی خرابی اور بربادی سے بچیں اور جنت میں داخل ہوں۔

۳۳۔ بعض کاہلوں کا عذر کہ آنکھ نہیں کھلتی: بہت سے لوگ بعض نمازیں اور خاص کر فجر کی

[1] مریم: ۵۹-۶۱

نماز نیند کی وجہ سے ضائع کر دیتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فجر کی نماز کی پابندی کیوں نہیں کرتے؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ آنکھیں نہیں کھلتی، یا کسی نے جگایا نہیں۔

بات یہ ہے کہ جسے نماز کا اہتمام ہو ضرور بروقت اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ وہ آنکھ کھلنے کی تدبیریں کرتا ہے، رات کو جلدی سوتا ہے، ٹائم پیس لگاتا ہے، دوسرے نمازیوں سے اٹھانے کی تاکید کرتا ہے۔ دل میں ارادہ مضبوط نہ ہو، اٹھنے کا اہتمام بھی نہ ہو، دیر سے بھی سوئے، اٹھانے پر بھی نہ اٹھے، اور آنکھ نہ کھلنے کو بہانہ بنادے، یہ بہانہ کیسے کام دے سکتا ہے؟ خود غور کرلیں! اٹھنے کی ساری تدبیریں کرو پھر آنکھ نہ کھلے تو دوسری بات ہے۔ وہی لوگ جو فجر کی نماز کے لیے بیدار نہیں ہوتے ، جب کہیں ان کو جانا ہوتا ہے یا کوئی بھی دنیاوی کام درپیش ہوجاتا ہے تو بغیر کسی کے جگائے خود بھی اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب تک دل میں لگی نہ ہوگی ایسے ہی بہانے سوجھا کرتے ہیں۔ دل کی لگی اور ہی ہوتی ہے، نماز سے عشق کرکے دیکھو ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ آنکھ کھلے گی۔

۳۴۔ مرض میں نماز چھوڑنے والوں کو تنبیہ: بہت سے لوگ مرض میں نماز نہیں پڑھتے حالاں کہ مرض میں بھی نماز فرض ہے۔ اور اس میں قدرت واستطاعت کا لحاظ رکھا گیا ہے، کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، وہ بھی نہ ہوسکے تو لیٹ کر پڑھو، غرض یہ ہے کہ جب تک ہوش وحواس قائم ہوں نماز پڑھنا فرض ہے۔

مرض کا بہانہ کرنے سے نماز کی فرضیت ختم نہ ہوجائے گی: بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ نماز کیسے پڑھیں وضو ہی نہیں ٹھہرتا یا کپڑے ہی پاک نہیں رہتے؟ ان لوگوں کا یہ عذر غلط ہے۔ کیسا ہی مرض ہو نماز بہرحال فرض ہے۔ جو شخص جس حال میں مبتلا ہو وہ علما سے پوچھے کہ میں اب کیا کروں اور کیسے نماز پڑھوں؟ خود ہی اپنے حق میں مفتی بن جانا اور آپ ہی فیصلہ کرلینا کہ اب مجھ پر نماز پڑھنا فرض نہیں ہے، یہ بڑی جہالت کی بات ہے۔ اگر کسی کو برابر پیشاب آتا رہتا ہو، جریان کا مرض ہو، یا کسی عورت کا خون ہر وقت جاری رہتا ہو، یا سیلانِ رحم (لیکوریا) کی شکایت ہو اس پر بھی نماز فرض ہے، اس کا طریقہ کار فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے علما سے معلوم کرکے عمل کرنا لازم ہے۔

اگر کسی بیمار کا بستر ناپاک ہو اور اس کے بدلنے میں بیمار کو ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہو تو

وہ وضو یا تیمّم کرکے (مسئلہ کے اعتبار سے جس کا موقع ہو) اسی بستر پر نماز پڑھ لیا کرے، فقہا نے اس کی تصریح کی ہے۔

۳۵۔ سفر میں نماز چھوڑنے والوں کو تنبیہ: اکثر آدمی سفر میں نماز نہیں پڑھتے، اچھے اچھے نمازی سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں، پانی نہ ہونے اور جگہ پاک نہ ہونے کا بہانہ کردیتے ہیں۔ اول تو اسٹیشنوں پر پانی ہوتا ہے، ریل کے ڈبوں میں بھی پانی ہوتا ہے جو پاک ہوتا ہے وضو کرکے نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور پڑھنے والے پڑھتے ہیں، نہ صرف تنہا بلکہ جماعت سے پڑھتے ہیں۔ اور ہندو غیر مسلم تک نماز کے لیے جگہ دے دیتے ہیں، خود ہی اپنے دل میں کچائی ہوتو اس کا علاج پختہ عزم وارادہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اول تو سفر کے لیے ایسا وقت ڈھونڈیں جس میں نماز کا وقت نہ آئے، اور اگر کوئی ایسی صورت نہ بنے تب بھی نماز کا اہتمام کریں، پانی ساتھ لے کر بیٹھیں مصلّٰی ساتھ لیں، اصولِ شریعت کے مطابق تیمّم درست ہوتو تیمّم کرلیں۔ جن کے دل میں نماز کا اہتمام ہے وہ مسائل معلوم کرتے رہتے ہیں اور نماز پڑھنے کی تدبیریں سفر میں بھی سوچ ہی لیتے ہیں۔

ظہر کا وقت سردی میں تین گھنٹہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور گرمی میں ایک گھنٹہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور عشا کا وقت تو صبح صادق ہونے تک ہے، اتنے بڑے وقت میں کہیں نہ کہیں گاڑی رکتی ہی ہے، اگر بھیڑ ہوتب بھی نیچے اتر کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، دو یا تین رکعت پڑھنا کے منٹ کا کام ہے؟ عصر، مغرب اور فجر کا وقت بھی کوئی دو چار منٹ کا نہیں ہے، جو لوگ ہمت اور کوشش کرتے ہیں تو وقت کے اندر اندر پڑھ لیتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا وضو کافی دیر تک ٹھہر جاتا ہے، اگر ظہر کے اخیر وقت میں وضو کرکے نماز پڑھی جائے تو یہ وضو مغرب بلکہ عشا تک چل سکتا ہے۔ ہم نے تو بعض ایسے لوگ دیکھے کہ جنہوں نے جمعہ کے لیے وضو کیا اور پھر اسی وضو سے عشا پڑھی۔ اللہ نے صحت دی ہوتو اس کو دین کے کام میں لگائیں۔ اگر ہر وقت وضو کرنا پڑے تب بھی کریں، لوٹا ساتھ لے کر بیٹھیں، اور ہر طرح کی تدبیر کریں ان شاء اللہ راستے نکلیں گے۔ ہر جگہ مُصلّٰے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، پوری زمین نماز کی جگہ ہے، مٹی پاک ہے۔ اگر کسی جگہ زمین پر ناپاکی گرگئی ہوتو زمین کے سوکھ جانے اور ناپاکی کا اثر زائل ہونے سے پاک ہوجاتی ہے۔

مردوں میں تو کچھ لوگ سفر میں نماز پڑھ بھی لیتے ہیں، عورتیں تو سفر میں نماز پڑھتی ہی نہیں۔ بعض عورتیں پردہ کا عذر کر دیتی ہیں حالاں کہ یہ عذر شرعاً کوئی عذر نہیں، جس برقعہ میں سفر کر رہی ہیں، مردوں کے سامنے گزر رہی ہیں، ریل میں بیٹھی ہیں اسی برقعہ میں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ اَڑتالیس میل یا اس سے زائد سفر بغیر محرم کے جائز نہیں ہے، جو محرم ساتھ ہو وہ خود بھی نماز پڑھے اور فکر مند ہو کر اس عورت کو بھی نماز پڑھائے جو اس کے ساتھ ہو، بس ہمت وارادہ ہونا چاہیے اس کے سامنے ہر عذر ہیچ ہے۔

سفر میں بلا عذر بیٹھ کر یا قبلہ رخ کے خلاف نماز پڑھنے والوں کی غلطی: بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ریل میں نماز تو پڑھتے ہیں لیکن خواہ مخواہ بلا عذر جب کہ ریل ٹھہری ہوئی ہو یا چل رہی ہو اور گرنے کا خطرہ بھی نہ ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں، اور بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ خواہ مخواہ قبلہ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ لیتے ہیں، جب ان کو مسئلہ بتایا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ سفر میں سب کچھ جائز ہے، کبھی کہتے ہیں کہ مجبوری میں سب کچھ درست ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے فتوے تو اہلِ علم سے اور مفتی حضرات سے پوچھتے ہیں اور ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے یا بغیر قبلہ پڑھنے میں خود ہی فتویٰ دے لیتے ہیں، اور اس وقت اپنا مقام مفتی اعظم سے کم نہیں سمجھتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جب قبلہ کا رخ معلوم ہو اور ریل میں نماز پڑھنے کو جگہ مل جائے تو بے قبلہ پڑھنے کے لیے کوئی معذوری و مجبوری نہیں رہتی، جب نماز پڑھنے لگے تب کون تلوار لے کر کھڑا ہے کہ قبلہ کو پڑھو گے تو گردن اڑا دی جائے گی، یا کون سی مجبوری نازل ہوگئی جس کی وجہ سے قبلہ کے علاوہ دوسرے رخ کو پڑھنے لگے؟

اسی طرح جب ریل کھڑی ہو اس وقت کوئی مجبوری بیٹھ کر پڑھنے کی نہیں ہے بلکہ اگر خوب اچھی رفتار سے ریل چل رہی ہو تب بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، ہم نے پڑھی ہے اور پڑھنے والوں کو دیکھا ہے، اور گرنے کا احتمال ہو تو کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہزاروں میں اِکّا دُکّا ایسا شخص ہوسکتا ہے کہ جو کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو یا کسی چیز کو پکڑ کر بھی نہ سنبھل سکتا ہو۔

۳۶۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے تاجروں کا غلط حیلہ: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی بڑی بڑی دُوکانیں ہیں اور ہزاروں کا مال ان کی دوکانوں میں بھرا ہوا ہے، جب ان سے زکوٰۃ کی بات کی جاتی ہے تو زکوٰۃ سے چھٹکارہ کے لیے یہ حیلہ سامنے لے آتے ہیں کہ اس سال نقصان ہوا ہے اس لیے زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ یہ حیلہ سراسر غلط ہے۔ مسئلہ کی رو سے جب تک کسی بھی قسم کا نصاب ملکیت میں باقی رہے گا زکوٰۃ فرض رہے گی، تجارت میں نفع ہوا ہو یا نقصان، خواہ اصل پونجی بھی گھٹ گئی ہو لیکن اگر کسی بھی طرح نصاب کا مالک ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اور تاجروں کا نقصان یہ بھی ان کی ایک اصطلاح ہے، پونجی کا نقصان بھی نہیں ہوتا اور نفع بھی ہوتا ہے جس سے سال بھر گھر بار کا خرچ چلتا ہے، دوکان کا کرایہ ادا کرتے ہیں، لیکن چوں کہ کھا پی کر اتنا نہ بچا جتنا شروع سال سے طے کرلیا تھا کہ اس سال اتنا کمانا ہے، اس امید اور خیال کے مطابق نفع نہ ہوا تو اس کا نام نقصان رکھ دیا اور مدرسہ کے سفیر کو جواب دے دیا کہ اس سال تو نقصان ہو گیا۔ نفع کا نام نقصان رکھا، جھوٹ بھی بولا اور زکوٰۃ بھی روکی اور اپنے خیال میں نیک ہی رہے۔ ان نیکوں کو اللہ نیک بنائے اور فرائض کی ادائیگی کی فکرمندی نصیب فرمائے۔

۳۷۔ روزہ چھوڑنے والوں کا غلط حیلہ: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھتے تو رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب نماز نہیں تو روزہ ہی کیا رکھیں، بیل کی طرح منہ باندھ کر پڑے رہنے سے کیا فائدہ؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز چھوڑنا ہی کون سا اچھا کام ہے؟ ایمان کے بعد نماز ہی کا مرتبہ ہے جو اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز ہی کا فرق ہے۔[۱]

جب تک جان میں جان ہو اور ہوش باقی ہو، کیسا ہی مریض ہو، کیسے ہی اشغال ہوں، سفر ہو یا گھر پر ہو ہر حال میں نماز پڑھنا فرض ہے۔

پھر اگر کوئی کم بختی مارا نماز نہ پڑھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے فرائض بھی انجام نہ دے۔ نماز مستقل فرض ہے اور روزہ اس کے علاوہ مستقل فریضہ ہے، دونوں میں سے جس کو ادا کرے گا اس کی فرضیت ادا ہو جائے گی اور فرض چھوڑنے کے گناہ سے بچ جائے گا۔ اور جس

---

[۱] اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ. مشكاة المصابيح (ص:۵۸)

فرض کو ادا نہ کرے گا اس کے چھوڑنے کا گناہ ہوگا، اور گناہ عذاب کا سبب ہے۔ نفس اور شیطان کے سجھائے ہوئے حیلوں سے اپنے لیے عذاب تیار کرنا بڑی نادانی ہے۔ نفس اور شیطان پہلے نماز چھڑواتے ہیں پھر اس کو روزہ چھوڑنے کا بہانہ بتادیتے ہیں، نماز بھی پڑھو اور روزہ بھی رکھو بیل کی طرح منہ کیوں باندھو۔ مسلمان آدمی کی طرح روزہ کی نیت کر کے روزہ توڑنے والی چیزیں چھوڑ کر روزہ کا ثواب لو اور فرض چھوڑنے کے گناہ سے بچو۔

۳۸۔ عمل سے بچنے کے لیے علم حاصل نہ کرنے کی حماقت: بعض لوگ قصداً علمِ دین حاصل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ علم پڑھ کر عمل کرنے کی ذمہ داری آجائے گی۔ یہ بڑی جہالت کی بات ہے اور سراسر حماقت ہے، کیوں کہ علم حاصل کرنے کا مستقل حکم ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ ہر شخص کی ذات سے جو فرائض وواجبات متعلق ہیں ان کا پوری طرح جاننا بھی فرض وواجب ہے اور عمل کرنا بھی فرض وواجب ہے، علم حاصل نہ کرنے سے عمل کی ذمہ داری ختم نہیں ہوجاتی۔ جو شخص اپنی ذات سے متعلق اَحکام ومسائل کا علم حاصل نہیں کرتا وہ ترکِ علم کی وجہ سے بھی گناہ گار ہے اور ترکِ عمل کی وجہ سے بھی، اس کو خوب سمجھ لیں۔

۳۹۔ حفظِ قرآن کو بے کار کہنے والوں کی تردید: بہت سے لوگ نہ خود قرآن حفظ کرتے ہیں نہ اپنی اولاد کو اس کارِ خیر پر لگاتے ہیں، بلکہ دوسروں کے بچے جو قرآن مجید حفظ کرتے ہیں ان کا حفظ چھڑانے کی بھی ترغیب دیتے ہیں اور اپنے دشمن شیطان مردود کے سمجھانے سے یوں کہتے ہیں کہ جب معنی نہیں جانتے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ (العیاذ باللہ!) عجیب بات یہ ہے کہ گھر بیٹھے ہی اپنی خام خیالی سے کُلھیا [چھوٹے برتن] میں گڑ پھوڑ کر خوش ہوجاتے ہیں، اور ہر طرح کے سوال وجواب خود ہی نمٹا لیتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی سمجھنے پر کس نے پابندی لگائی ہے؟ الفاظ بھی سیکھو، پورا قرآن ناظرہ بھی پڑھو اور حفظ بھی کرو، اور پورے قرآن کے معانی بھی سمجھو، مسلمان کی یہی شان ہے۔ یہ کون سی سمجھ داری ہے کہ نہ معانی سیکھے نہ الفاظ یاد کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھے اس کے لیے ہر حرف کے بدلہ ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس

نیکیوں کی برابر ہے۔[1]

مثلاً کسی نے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾[2] پڑھ دیا تو اس کو ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کے حساب سے ڈیڑھ سو سے زیادہ نیکیاں مل گئیں۔ یہ ثواب صرف پڑھنے کا ہے، سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے بہر حال یہ ثواب ملے گا۔

جن لوگوں کو آخرت کے ہولناک منظر میں نیکیوں کی ضرورت کا علم نہیں ہے ان کے نزدیک نیکی کی کوئی قیمت نہیں ہے، یہ کہنا کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ جہالت کی بات ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک روپیہ، کپڑا، دوکان، جائیداد ہی فائدہ کی چیز ہے، آخرت کا ثواب ان لوگوں کے یہاں فائدہ کی چیز نہیں ہے۔ دنیادار دنیا ہی کی نفع کی چیز سمجھتے ہیں، آخرت کے منافع کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

۴۰۔ غیبت کرنے والوں کا محاسبہ اور ان کی تردید: بہت سے لوگ دوسروں کی غیبت کرتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ غیبت بہت بڑا گناہ ہے اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ صاحب! میں کوئی غلط نہیں کہہ رہا ہوں، میں اس کے منہ پر کہہ دوں گا۔

یہ سمجھ لیں کہ منہ پر کہہ دینے یا کہہ سکنے سے غیبت حلال نہیں ہو جاتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی خوب جانتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: (غیبت یہ ہے کہ) تو اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرے جو اسے بُرا لگے۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جو میں بیان کر رہا ہوں تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تو نے اپنے بھائی کے حق میں وہ کہا جو عیب اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر تو نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں تب تو نے اس پر بہتان لگایا۔[3]

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کی برائی آگے بیان کرے یا پیچھے ہر حال میں گناہ ہے، کیوں کہ گناہ گاری کا مدار بُرا لگنے پر ہے آگے کہو یا پیچھے کہو، جس کے بارے میں کہا ہے آپ اس کا دل دکھنے کا ذریعہ بنے یہ گناہ گاری کا سبب بن گیا۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کسی

---

[1] مشکاة المصابیح (ص: ١٨٦) [2] الفاتحة: ١ [3] مشکاة المصابیح (ص: ٤١٢)

کے اندر کوئی برائی ہو اس برائی کا بیان کرنا غیبت ہے، اور اگر کوئی ایسی برائی بیان کی جائے جو اس میں نہیں ہے تو یہ اس پر بہتان ہے۔ لوگ عام طور سے ان دونوں چیزوں (غیبت و بہتان) میں مبتلا ہیں اور غیبت کو شِیر مادر سمجھتے ہیں اس سے بچنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے۔ جو لوگ دین داری میں اپنا بڑا مقام سمجھتے ہیں وہ بھی غیبت سے باز نہیں آتے۔

غیبت سے آخرت کا نقصان: جن لوگوں کی غیبت کر کے آخرت میں پہنچیں گے ان کو اپنی نیکیاں دینی پڑیں گی اور ان کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے، خدا جانے اتنے بڑے نقصان کا سودا کرنے کے لیے کیوں تیار ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: سنا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے غیبت کی۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا تو اس کے پاس ہدیہ لے کر گئے۔ اس نے کہا کہ آپ نے یہ زحمت کیوں گوارا فرمائی؟ امام صاحب نے فرمایا کہ آپ ہمارے محسن ہیں اس لیے ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا: میں نے تو کبھی آپ کے ساتھ احسان نہیں کیا۔ فرمایا کہ سنا ہے آپ نے ہماری غیبت کی ہے، یہ آپ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ میدانِ آخرت میں آپ ہمارے گناہ اپنے سر لیں اور اپنی نیکیاں ہمارے حساب کے پلڑہ میں ڈال دیں، آخرت کے محسن سے بڑھ کر کون محسن ہوگا؟

غیبت کرنے سے نفس کو جو تھوڑا سا مزا آتا ہے اس مزے کے لیے آخرت کی بربادی کرنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نقصان کے کام سے بچائے (آمین)۔

اصل بات یہ ہے کہ غیبت میں تکبر پوشیدہ ہے، جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرتا ہے تو اس کے اندر اپنی براءت پوشیدہ ہوتی ہے، اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ہے ہم ایسے نہیں ہیں۔

اگر اپنے گناہوں اور عیبوں پر نظر ہو تو دوسروں کے عیب اور برائیاں بیان کرنے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

لِيَحْجِزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِكَ.[1]

لوگوں کے عیب بیان کرنے سے تجھ سے وہ چیزیں رد کریں جن کو تو اپنے اندر جانتا ہے۔

---

[1] مشكاة المصابيح (ص: ٤١٥)

مطلب یہ ہے کہ تیرے اندر جو برائیاں ہیں پہلے تو ان سے نمٹ، جس کے اندر خود برائیاں موجود ہیں اسے اتنی فرصت کہاں کہ دوسروں کی عیب گیری کرے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اَلْغِیْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! غیبت زنا سے کیسے سخت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ انسان زنا کرتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اور بلاشبہ غیبت والے کی مغفرت نہ کی جائے گی جب تک کہ وہی معاف نہ کرے جس کی غیبت کی ہے۔[1]

غیبت چوں کہ حقوق العباد میں سے ہے اس لیے جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کرانا لازم ہے، معاف نہ کرا سکے تو اس کے لیے اتنی دعا کرے کہ دل گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہوگئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ بیان فرمایا: جب کسی نے عرض کیا کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیوں ہے؟ تو فرمایا کہ غیبت کا گناہ جاہی ہے اور زنا کا گناہ باہی ہے۔ جاہی کا مطلب یہ ہے کہ غیبت میں انسان کی جاہ پیشِ نظر ہوتی ہے، جب دوسرے کی برائی کرتا ہے تو اس کے اندر اپنی تعریف پوشیدہ ہوتی ہے کہ ہم ایسے نہیں ہیں اور یہ کبر ہے۔

۴۱۔ اس دھوکہ کی تردید کہ حج کرلیا ہے تو حقوق کی ادائیگی کی حاجت نہیں: بہت سے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم نے حج کرلیا ہے جس کی وجہ سے ہر گناہ معاف ہوگیا، اور چوں کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں بندوں کے حقوق معاف ہونے کی بھی دعا فرمائی تھی اس وجہ سے وہ بھی معاف ہوگئے، اس لیے اگر حقوق کی ادائیگی نہ کی جائے تو آخرت میں کوئی مؤاخذہ نہیں (العیاذ باللہ!)۔

ماشاء اللہ! نفس وشیطان نے کیسا پُرفریب حیلہ سمجھایا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہر سال لوگوں کے ایک لاکھ روپے مار لیا کرے اور بیس پچیس ہزار میں حج کرلیا کرے، ہزاروں ہزار کی بچت ہوا کرے گی گویا حقوق العباد اور قرضوں کے بارے میں جو سخت وعیدیں اور تنبیہات احادیثِ شریفہ میں آئی ہیں وہ سب یوں ہی بے معنیٰ ہیں (العیاذ باللہ!)۔

اوّل تو اپنے حجوں کو دیکھنا چاہیے کہ حلال مال سے ہیں یا نہیں، پھر اَحکامِ حج میں کتنا قصور کیا

[1] مشکاۃ المصابیح (ص: ٤١٥)

ہے؟ واجبات کتنے ترک کیے ہیں؟ سنتوں کی کتنی خلاف ورزی کی ہے؟ نمازیں (سفرِ حج کے درمیان) کتنی چھوڑیں ہیں؟ اور حج میں ریا کاری کا کتنا جذبہ موجود تھا؟ حج مبرور ومقبول ہو تو اس کے نتائج وثمرات برآمد ہوں۔ پھر اگر حج کر لینے سے اگلے پچھلے سب حقوق اور قرضہ جات معاف ہو جایا کرتے تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (جن کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دعا فرمائی تھی) لوگوں کے خوب مال مارا کرتے اور خوب غصب کیا کرتے، اور لوگوں کی بے جا مار پیٹ کیا کرتے، اور خیانتیں کر کے لوگوں کے مال دبا لیا کرتے۔ حضراتِ صحابۂ کرام نے تو حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ دیدہ ودانستہ لوگوں کے حق مار لو، قدرت ہوتے ہوئے نہ حقوق کی ادائیگی کرو اور نہ معافی مانگ کر معاملہ صاف کرو۔

نیز حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد سے لے کر آج تک محدثین یا ائمہ مجتہدین نے یا کسی بھی مذہب کے کسی فقیہ یا مفتی نے یہ نہیں بتایا کہ حقوق اور مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے موت سے قبل ایک حج کر لو، نہ کسی کو کچھ دینا ہوگا نہ معافی مانگنی پڑے گی نہ قرضوں کی ادائیگی کی ضرورت ہوگی۔ اگر کسی جاہل نے حدیث کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ حقوق دباؤ اور مال مارو اور لوگوں پر اچھی طرح ظلم ڈھاؤ، پھر ایک حج کر کے سب سے پاک وصاف ہو جاؤ تو یہ اس کی اپنی جہالت وحماقت ہے اور نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں یوں دعا کی کہ اے ربّ! اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت دے دیں اور ظالم کی مغفرت فرما دیں۔ یہ دعا عرفات میں قبول نہیں ہوئی، صبح کو مزدلفہ میں پھر دعا کی تو یہ دعا قبول ہوگئی۔[1]

اس حدیث میں کوئی ایسا وعدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کو اپنے پاس سے حقوق عنایت فرما کر ہر حاجی کو خواہ کیسا ہی ظالم ہو بخش ہی دیں گے۔ حدیث کا مطلب اتنا سا ہے کہ اللہ چاہے تو مظلوم کو اپنے پاس سے دے دے اور ظالم کو بخش دے، دارومدار اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی مشیت پر ہے جیسا کہ دوسرے گناہوں کا بھی یہ ہی معاملہ ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[2]

---

[1] دیکھو الفاظ حدیث سنن ابن ماجہ کتاب الحج (ص:۲۱٦) [2] النساء:٤٨

بے شک اللہ اس کی مغفرت نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

اب حاجی اور غیر حاجی کے پاس وہ کون سی سند ہے جس کی وجہ سے اپنے بارہ میں یقینی طور پر یہ طے کر کے بیٹھ جائے کہ مجھ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور میں بلا حساب وبلا عذاب جنت میں چلا جاؤں گا؟ شیطان بہت بڑا دشمن ہے اور بہت بڑا چالباز بھی ہے، انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے کیسی کیسی پٹی پڑھاتا ہے۔ یہ تو بحث ہے حدیث کے مضمون کے متعلق جو اس کے الفاظ سے اچھی طرح واضح ہے، لیکن ساتھ ہی حدیث کی سند بھی دیکھنی چاہیے۔ حدیث کی سند میں عبداللہ بن کِنانہ ایک راوی ہے۔ اس کے بارے میں محشّی ابن ماجہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ''زوائد'' میں ابن ماجہ سے نقل کیا ہے: قَالَ الْبُخَارِيُّ: لَمْ يَصِحَّ حَدِيْثُهُ (یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث صحیح نہیں ہے)۔ اور حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن کِنانہ کے والد کِنانہ کے بارے میں لکھا ہے کہ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ جِدًّا اور کنانہ کی وجہ سے انہوں نے حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اگر موضوع نہیں تو ضعف سے پھر بھی خالی نہیں ہے۔

ایسی ضعیف حدیث کو بنیاد بنا کر لوگوں کے مال مارنا اور حقوق دبا لینا اور حج کر کے اپنے آپ کو پاک وصاف سمجھ لینا بہت بڑی حماقت ہے اور فریبِ نفس ہے۔ اور کیا ذخیرۂ حدیث میں یہی ایک حدیث ہے جسے بعض محدثین نے ضعیف اور بعض نے موضوع کہا ہے، کثیر تعداد میں جو احادیث حقوق العباد کی تلافی کے بارے میں آئی ہیں ان کو کیوں بھلا رہے ہیں؟ کسی کی غیبت کرنے، کسی پر تہمت لگانے یا آبروریزی کرنے، یا قرضہ لے کر ادائیگی کا انتظام کیے بغیر مر جانے، اور شریکوں کے آپس میں خیانت کرنے، اور کسی کی زمین دبا لینے[1] کے بارے میں جو صحیح السَّند احادیث میں وعیدیں آئی ہیں، ان کی طرف سے قصداً غافل ہو جانے سے کیا آخرت میں چھٹکارا ہو جائے گا؟

۴۲۔ مرنے والے کی جائیداد سے اس کی بیوی کا حصہ نہ دینے کا غلط حیلہ: بہت سے دین داری کے مدعی مرنے والے بھائی کی جائیداد سے اس کی بیوی کا حصہ نہیں دیتے، بلکہ اس کو

---

[1] اس طرح کی روایات ہم نے اپنی کتاب ''کسبِ حلال اور ادائے حق'' میں لکھ دی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے۔

مجبور کرتے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ نکاح کرلے۔ وہ بیچاری مجبوراً نکاح کرلیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی پاسداری کرلی، حالاں کہ نکاح کرلینے سے اس کے شوہر کی میراث سے جو شرعاً حصہ اس کو ملتا ہے اس کا دبالینا پھر بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو جائیداد میں حصہ دے دیا گیا تو ہماری زمین کا حصہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا، اگر چلا ہی گیا تو کیا ہوا؟ بے چاری بیوہ عورت کا مال مارنے اور آخرت کے عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

۴۳۔ مرنے والے کے ترکہ میں سے لڑکیوں کو حصہ نہ دینا: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ میت کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے بلکہ میت کے لڑکے ہی سارا مال دبالیتے ہیں، جو سراسر اپنی بہنوں پر ظلم کرتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنا حق مانگتی نہیں ہیں اور معاف کرانے سے معاف بھی کردیتی ہیں، لہٰذا یہ ہمارے لیے حلال ہے۔

واضح رہے کہ حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے دل سے اپنا حق چھوڑ دیا، اور رواجی طور پر اوپر کے دل سے جو معافی ہوتی ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ وہ بے چاری جانتی ہیں کہ ہمارا حصہ تو ہم کو ملنا ہے ہی نہیں، حق مانگ کر بھائیوں سے بگاڑ کیوں کریں۔ یہ سوچ کر وہ اپنا حق طلب کرنے سے خاموش رہتی ہیں، اور معافی مانگنے سے معافی کے الفاظ بھی کہہ دیتی ہیں۔ صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ ان کا حصہ بانٹ کر ان کو دے کر قبضہ کرادیا جائے اور بتادیا جائے کہ لو! یہ تمہارا حصہ ہے، اور ان کے حصہ کی جائیداد کی جتنی بھی آمدنی ہو ان کو دے دیا کریں۔ پھر اگر وہ اس کے باوجود معاف کردیں تو معافی کا اعتبار ہوگا، مجبوری والی رسمی معافی کا اعتبار نہیں۔ بعض لوگ نفس کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ بھائی زندگی بھر ان کو ان کی سسرال سے بلائیں گے، بچوں سمیت آئیں گی، کھائیں گی پیئیں گی اس سے ان کا حق ادا ہوجائے گا، یہ سب خود فریبی ہے۔

اول تو ان پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا میراث سے ان کا حصہ نکلتا ہے۔ دوسرے صِلہ رحمی کرنی ہے تو اپنے مال سے کرو، پیسہ ان کا اور احسان آپ جتلا رہے ہیں کہ ہم نے بہن کو بلایا ہے اور ان پر خرچ کیا ہے، یہ کیا صِلہ رحمی ہوئی؟ تیسرے ان سے معاملہ کرو، کیا وہ اس سودے پر راضی ہیں؟ یک طرفہ فیصلہ کیسے کرلیا؟ پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہنوں کو جبھی تک بلائیں گے جب تک بہن بھائی زندہ رہیں گے اور جائیداد میں جو ان کا حصہ ہے اس میں ان کی مستقل شرکت ہے جو

ان کی اولاد دراولاد منتقل ہوتی رہے گی، بہنوں کا تھوڑا سا خرچ کر کے ہمیشہ کے لیے انہیں اوران کی نسل کو حصہ شرعی سے محروم کر دینا کسی طرح بھی حلال نہیں۔

۴۴۔ بیویوں کو مہر نہ دینا اور رسمی طور پر معاف کرالینا: اکثر بیوی کا مہر ادا نہیں کرتے ہیں اور رسمی طور پر معاف کرالیتے ہیں، بیوی یہ سمجھتی ہے کہ شوہر کے ساتھ بدمزگی پیدا ہو جائے تو اس سے زندگی دوبھر ہو جائے گی، اور مہر بہر حال ملنا ہے نہیں لہٰذا معافی کے الفاظ ہی کہہ دوں، لہٰذا وہ رسمی طور پر اوپر کے دل سے معاف کر دیتی ہے، ایسی رسمی معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾[1]

سو اگر تمہاری بیویاں نفس کی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دیں تو اس کو مرغوب اور خوشگوار سمجھ کر کھالو۔

دیکھو! اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے یوں ارشاد فرمایا کہ ’’جو نفس کی خوشی سے چھوڑ دے اس کو کھالو‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ اوپر کے دل سے رسمی طور پر معاف کر دینے سے حلال نہیں ہوتا۔ اگر ان کے نفس کی خوشی معلوم کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے پورا مہر اس کے ہاتھ میں دے دو اور خوب صاف واضح الفاظ میں بتا دو کہ یہ تیرا مال ہے جو چاہے کر تجھے پورا اختیار ہے، پھر بھی وہ اپنی خوشی سے دے دے تو قبول کرلو، اوپر کی جھوٹی معافی کو حیلہ بنا کر ان کا مال نہ دباؤ۔

۴۵۔لڑکیوں کا مہر اُن کو نہ دینا بلکہ باپ یا ولی کے خود لے لینے کی تردید: لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے اور اُن کا مہر والد یا دوسرا کوئی ولی وصول کر لیتا ہے۔ وصول کر لینا اور لڑکی کی ملکیت جانتے ہوئے اس کو دینے کی نیت سے محفوظ رکھنا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن لڑکی سے پوچھے بغیر اس کے مال کو اپنے تصرف میں لانا اور اپنا ہی سمجھ لینا، پھر اس کو کبھی بھی نہ دینا یا اوپر کے دل سے جھوٹی معافی کرالینا یہ حلال نہیں ہے، اس سے مظلومہ لڑکی کا مال حلال نہیں ہوگا۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب! ہم نے جو شادی میں خرچ کیا ہے اس کے بدلہ یہ رقم وصول کر لی، یا جہیز میں لگادی حالاں کہ یہ لوگ رواجی اخراجات کرتے ہیں۔ عموماً یہ سب کچھ نام

[1] النساء: ٤

ونمود کے لیے ہوتا ہے اور بہت سے کام شریعت کے خلاف بھی ہوتے ہیں، گانا بجانا ناچ رنگ یہ سب کچھ ہوتا ہے، جہیز بھی دکھاوے کے لیے دیا جاتا ہے اور وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو زندگی بھر کبھی کام بھی نہ آئیں۔ سب جانتے ہیں کہ خلافِ شرع اور دکھاوے کے لیے تو اپنا مال خرچ کرنا بھی حرام ہے، پھر بے زبان لڑکی کا مال اس طرح خرچ کرنا کیسے حلال ہوسکتا ہے؟ جو خرچ کریں شریعت کے موافق خرچ کریں اور وہ بھی اپنے مال سے نہ کہ لڑکی کے مہر سے، کیوں کہ اس کے مال سے بلا اس کی اجازت کے خرچ کرنا ظلم ہے۔ اس سے پوچھتے تک نہیں اور اس کا مال اڑا دیتے ہیں، یہ سراسر ظلم ہے۔

مالیت میں رواجی خاموشی معتبر نہیں: اور واضح رہے کہ اس کی خاموشی کو بہانہ بنا کر اس کا مہر خود رکھ لینا یا شادی میں لگا دینا حلال نہیں ہے۔ رواجی خاموشی مالیات کے بارے میں معتبر نہیں۔ اس کی رقم اس کو دے دو اور اس پر کسی قسم کا جبر نہ ہو، اس کو بدنامی اور رواج کا ڈر نہ ہو، پھر وہ خوشی سے جو کچھ آپ کو دے دے اس کو اپنا حق سمجھ سکتے ہیں۔

شرعی شادی میں کوئی خرچہ نہیں ہے: یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ شرعی شادی میں کوئی خرچہ نہیں ہے، ایجاب وقبول سے نکاح ہوجاتا ہے اس کے بعد رخصت کردو، سواری کا خرچ بھی شوہر دے گا جو اپنی بیوی کو لے جارہا ہے لڑکی یا اس کے ولی کے ذمہ کوئی خرچ نہیں آتا، رواجی کام اور نام ونمود کے قصوں نے خلافِ شرع کاموں پر لگا رکھا ہے۔

یوں کہنے والے بھی ملتے ہیں کہ ہم نے پیدائش سے لے کر آج تک اس پر خرچہ کیا ہے وہ ہم نے وصول کرلیا، یہ بھی جاہلانہ جواب ہے، کیوں کہ شرعاً آپ پر اس کی پرورش واجب تھی لہٰذا آپ نے اپنا واجب ادا کیا۔ جس کی پرورش شرعاً اپنے مال سے واجب تھی اس کی پرورش کے بدلہ مال وصول کرنا خلافِ شرع تو ہے ہی خلافِ محبت اور خلافِ شفقت بھی ہے، گویا کہ آپ جو آج تک اس کی پرورش پر خرچ کرتے آئے ہیں وہ ایک سودے بازی تھی اور وہ بھی بلا حساب کتاب، جس کی کوئی لکھا پڑھی نہیں۔ خرچ تو کیے دو چار ہزار، اور وصول کرلیے بیس تیس ہزار، کیا اپنی اولاد کے ساتھ یہی انصاف ہے؟ دوسرے یہ کہ کسی پر ادھار خرچ کرکے اس کے مال سے وصول کرلینا تو یہ تو غیر بھی کردیتے ہیں، آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ غور کرنے کی بات ہے۔

۴۶۔ٹخنے سے نیچا کپڑا پہننے والوں کا غلط حیلہ: احادیث شریفہ میں بڑی سختی کے ساتھ ٹخنہ سے نیچے کپڑا پہننے کی ممانعت وارد ہوئی۔حضورِاقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا أَسۡفَلَ مِنَ الۡكَعۡبَيۡنِ مِنَ الۡإِزَارِ فَفِي النَّارِ.[۱]

یعنی جو کپڑا ٹخنہ کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہے۔

ایسی سخت وعید کے باجود بہت سے لوگ پاجامہ، لنگی وغیرہ ٹخنے سے نیچے پہنتے ہیں۔جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ عمل دوزخ میں لے جانے والا ہے اور گناہ ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تکبر اور شیخی کے لیے ٹخنہ سے نیچا پہننا حرام ہے اور ہم تکبر کی وجہ سے نہیں پہنتے، لہٰذا ہمارا پہننا جائز ہے۔ان لوگوں کی یہ بات تین وجہ سے غلط ہے: اول اس لیے کہ مذکورہ بالا حدیث جو ہم نے ''بخاری شریف'' سے نقل کی ہے، اس میں تکبر کا ذکر نہیں ہے، مطلقاً ٹخنہ سے نیچا پہننے کو دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ بتایا ہے۔دوسرے اس وجہ سے کہ حضورِاقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

وَإِيَّاكَ وَإِسۡبَالَ الۡإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الۡمَخِيۡلَةِ.[۲]

یعنی تہبند کو لٹکانے سے بچو، کیوں کہ وہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ٹخنہ سے نیچے پہننا تکبر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔تیسرے اس وجہ سے کہ جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ٹخنوں سے اونچا پہنو تو وہ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ خلافِ شان سمجھنا ہی تو تکبر ہے۔جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں وہ اس لیے ٹخنوں سے اونچا نہیں پہنتے کہ یار، دوست اور بازاری لوگ اور دفتر کے ساتھی اچھی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔حضورِاقدس ﷺ کے طریقہ کو خلافِ شان سمجھنا اور لوگوں کی نظروں میں باعزت ہونے کے لیے غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا یہ تکبر نہیں ہے تو کیا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے۔اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے ہو، پس جیسے حضرت ابوبکر کے لیے بلا تکبر سے ٹخنہ سے نیچا پہننا جائز ہوگیا اسی طرح ہمارے لیے بھی جائز ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو اپنے عمل کے لیے دلیل میں پیش کرنا بڑی جہالت اور

[۱] رواه البخاري باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار [۲] رواه أبو داود في كتاب اللباس في حديث طويل

خودفریبی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو خیال کر کے تہبند اونچا باندھتے تھے، کبھی بے دھیانی میں نیچا ہوجاتا تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَهُ.[1]

میرا تہبند لٹک جاتا ہے الّا یہ کہ میں اس کا دھیان رکھوں۔

دیکھو! انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں لٹکا لیتا ہوں، یہ فرمایا کہ لٹک جاتا ہے۔ اب غور فرمالیں! کہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اوپر باندھنے کا اہتمام فرماتے تھے اور بے خیالی میں نیچا ہوجایا کرتا تھا، اور کہاں یہ لوگ جو خود قصداً نیچا سلواتے ہیں اور نیچا پہنتے ہیں، اور خوب خیال سے ٹخنوں کو ڈھانکتے ہیں، اور ٹخنہ کھل جائے تو ان کی شان کے لالے پڑجاتے ہیں۔ تکبر میں غرق ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم میں تکبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

پھر یہ بات بھی تو پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سند دے دی کہ تم تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے ہو، ان متکبروں کے بارے میں کس نے گواہی دی ہے کہ تم میں تکبر نہیں ہے؟ جب کہ تکبر ہی نے ان کو نیچا کپڑا پہننے پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔

ساری حدیثوں کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہننا حرام ہے۔ تکبر کی وجہ[2] سے ہو یا بلا تکبر ہو۔ نیز یہ بھی احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ یہ ممانعت پاجامہ یا تہبند کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو کپڑا بھی ٹخنہ سے نیچا ہو خواہ کرتا ہو یا چادر، خواہ اور کوئی کپڑا حرام ہونے میں سب برابر ہیں۔[3]

---

[1] مشكاة المصابيح (ص: ٣٧٦) عن صحيح البخاري

[2] قال ابن العربي: لا يجوز للرجل أن يجاوز بثوبه كعبه ويقول: لاأجرّه خيلاء؛ لأن النهي قد تناوله لفظا، ولا يجوز لمن تناوله اللفظ حكما أن يقول: لاأمتثله؛ لأن تلك العلة ليست في فإنها دعوى غير مسلمة بل إطالته ذيله دالة على تكبره(ملخصا). وحاصله: أن الإسبال يستلزم جرّ الثوب، وجرّ الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء. فتح الباري (١٠/٢٦٤)

[3] عن سالم عن أبيه عن النبي ﷺ قال: اَلْإِسْبَالُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعَمَامَةِ، مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. رواه أبو داود والنسائي وابن ماجه. مشكاة المصابيح (ص: ٣٧٤)" كتاب اللباس"

چوڑی دار پاجامہ اور پتلون بے شرمی کا لباس ہے: بعض لوگ چوڑی دار پاجامہ پہنتے ہیں، اور ٹخنہ کو قصداً ڈھانک رکھتے ہیں جب توجہ دلائی جاتی ہے کہ یہ حرام ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ سردی لگتی ہے اس لیے ایسا کرتے ہیں۔ ہم نے تو نہیں دیکھا کہ جو لوگ ٹخنہ سے اونچا پاجامہ پہنتے ہوں وہ سردی میں گل گئے ہوں، پھر سردی کا علاج موزوں سے ہوسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چوڑی دار پاجامہ کے لوازم میں ٹخنوں کا ڈھکنا ہے اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور سردی کا بہانہ کرتے ہیں۔ اور یہ چوڑی دار پاجامہ پہننا ہی کون سا شریفانہ کام ہے؟ کوئی شرم دار ہو تو اپنے اَعضا کو اُبھار اُبھار کر لوگوں کو ہرگز نہ دکھائے گا۔ چست پتلون والے بے شرم بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں، شرم کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اعضا کو مٹکاتے پھرتے ہیں۔

۴۷۔ ایک غلط فہمی کہ غصہ میں طلاق نہیں ہوتی: بہت سے لوگ میاں بیوی کے جھگڑے میں طلاق دے ڈالتے ہیں، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو باوجود یکہ کبھی طلاق بائن یا مُغلّظہ ہوجاتی ہے پھر بھی بیوی بنا کر رکھے رہتے ہیں۔ ان کا نفس اور بے پڑھے جاہل مفتی فتویٰ دے دیتے ہیں کہ غصہ میں طلاق نہیں ہوتی۔ یہ غصہ والا حیلہ بالکل غلط ہے۔ شریعت کی رو سے طلاق غصہ میں بھی واقع ہوجاتی ہے بلکہ مذاق میں بھی ہوجاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ نشہ پی کر نشہ میں طلاق دے دے تو وہ بھی واقع ہوجاتی ہے۔ جاہلوں کے فتویٰ پر عمل کر کے زندگی بھر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہ غصہ والا حیلہ بالکل بناوٹی اور خود ساختہ ہے۔

۴۸۔ تین طلاق کے بعد چاروں اماموں کے نزدیک رجوع درست نہیں: اور بعض لوگ تین طلاقیں دے دیتے ہیں اور پھر بھی سابقہ بیوی کو بیوی بنا کر رکھ لیتے ہیں، جب ان کو توجہ دلائی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے شافعی مذہب پر عمل کرلیا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں، جن کے بعد رجوع جائز نہیں ہوتا۔ حضرت امام شافعی کا نام جھوٹ لیتے ہیں، اور اس جھوٹ کو حیلہ بنا کر زندگی بھر زنا کرتے رہتے ہیں۔ چاروں مذہبوں میں تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجایش نہیں رہتی، خواہ الگ الگ کر کے دی ہوں یا ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہوں،

خوب سمجھ لیں۔

۴۹۔طلاق کے بعد مفتی سے غلط سوال کے ذریعہ فتویٰ لینے کی غلطی: بعض لوگ تین طلاق دینے کے بعد سوال لکھ کر مفتی کے پاس آتے ہیں، جس میں کبھی تو صرف یہ لکھ دیتے ہیں کہ غصہ میں طلاق دے دی اور تین کا ذکر قصداً چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی یوں لکھ دیتے ہیں کہ زبردستی کی گئی تو طلاق دے دی۔ اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب سوال غلط کیا جائے گا اور پھر اس غلط سوال پر مفتی جواب دے دے گا تو سائل کے حق میں وہ جواب بھی غلط ہوگا۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ ہم نے سوال غلط لکھا تھا بیوی بنا کر رکھنا حرام ہی رہے گا اگرچہ مفتی نے غلط سوال کی وجہ سے رجوع کرنے کو کہہ دیا ہو۔ اللہ ورسول (ﷺ) کے یہاں جو حرام ہے وہ حرام ہی رہے گا، کسی کے غلط فتویٰ سے حرام حلال نہیں ہوجائے گا۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم نے سوال غلط لکھا تھا یہ حیلہ آخرت میں تو کام نہ دے گا کہ مفتی نے رجوع کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اور زور وزبردستی والی طلاق کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ اگر زبردستی کر کے طلاق لی جائے اور زبان سے طلاق دے دے تو وہ بھی واقع ہوجاتی ہے۔

اول تو طلاق دینے سے بہت زیادہ گریز کرنا لازم ہے، پھر اگر طلاق دے دے تو صحیح صورتِ حال مفتی کے سامنے لکھ کر پیش کردے، نہ تو کسی بات کو چھپائے اور نہ غلط بیانی کرے، پھر جو مفتی فتویٰ دے اس کو خوش دلی سے قبول کرے۔ اور مفتی بھی وہ تلاش کرے جو واقعی مفتی ہوں جن کا وجود بہت ہی کم ہے۔ اگر کسی مفتی نے غلط سوال پر کوئی جواب لکھ دیا تو اس کی ذمہ داری پوچھنے والے پر ہوگی، اگر اس نے حرام کو حلال لکھ دیا تو اس سے حلال نہ ہوگا خوب سمجھ لیں۔

۵۰۔حج وعمرہ میں دم واجب کر کے کہتے ہیں مولوی سے اللہ بچائے: بہت سے لوگ حج یا عمرہ کے موقع پر بہت سے ایسے کام کر لیتے ہیں جن سے دم واجب ہوجاتا ہے، اور جب ان کو بتایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ مولوی سے بچائے۔ قصداً جاہل رہنا اور مولوی سے بچنا اور حج کو خراب کرنا یہ کون سی دین داری اور سمجھ داری کی بات ہے؟ واجباتِ حج میں سے اگر کسی کو چھوڑ دیا جائے تو دم واجب ہوجاتا ہے، اب یہ کہنا کہ مولوی کو نہیں بتاتے تاکہ دم کا فتویٰ نہ دے دے، بڑی جہالت کی بات ہے۔ اگر مولوی سے نہ پوچھا اور اس کے فتوے سے بچ گئے تو

شریعت کے قاعدہ کے مطابق حج مبرور و مقبول نہ ہوگا۔ مولوی اپنے گھر سے تو نہیں بتاتے، جاہل رہیں، مولوی سے نہ پوچھیں، خود بھی علم نہ پڑھیں اور حج کی مقبولیت کے امیدوار رہیں یہ حماقت اور گمراہی کے سوا کیا ہے؟ اگر مولوی سے بچیں گے تو بچتے ہی چلے جائیں گے لیکن پھر کہاں ٹھکانہ ہوگا؟ بس شیطان ہی کا تسلط اور قبضہ ہو جائے گا۔

۵۱۔ حج و عمرہ میں حلق سے بچنے والوں کو تنبیہ: بہت سے لوگ کثرت سے عمرہ کرتے ہیں لیکن عموماً اور خاص کر وہ لوگ جو جدہ، طائف، مدینہ منورہ، ریاض وغیرہ میں رہتے ہیں جب سعی سے فارغ ہوتے ہیں تو قینچی لے کر دو چار بال اِدھر اُدھر سے کاٹ دیتے ہیں حالاں کہ اس طرح سے اِحرام سے نہیں نکلتے۔ احرام سے نکلنے کے لیے کم از کم چوتھائی سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹنا لازم ہے، اگر بقدر ایک پورے کے بال نہ ہوں تو سر منڈائے بغیر اِحرام سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ جب ایسے لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے تو کچھ تو وہیں بددعا کر لیتے ہیں کہ اللہ مولوی سے بچائے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مروہ پر کھڑے ہوئے بہت سے لوگ ایسا ہی کر رہے تھے ہم نے بھی چند بال کاٹ لیے، جاہلوں کی دیکھا دیکھی عمل کرنا کوئی دین اور شریعت اور عقل کی بات نہیں ہے۔ کیسے معلوم ہوا کہ جو لوگ چند بال کاٹ رہے تھے وہ اس لائق ہیں کہ ان کا اقتدا کیا جائے جن عُلَما پر نماز، روزہ کے مسائل میں اعتماد کرتے ہیں انہیں پر حج و عمرہ کے مسائل پر اعتماد کیجیے۔ جو بات نفس کو اچھی لگی اس کو اختیار کر لیا اور جس میں نفس کے خلاف کچھ کرنا پڑا اس کو چھوڑ دیا۔ یہ تو خواہشِ نفس کا اتباع ہوا شریعت پر چلنے کا ارادہ تو نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے بڑھ کر اپنے بالوں سے محبت کرنا ایمان کا کون سا تقاضا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے تو حج و عمرہ میں پورے سر کے بال منڈائے تھے، اور مونڈنے والوں کو تین مرتبہ دعا دی کہ

اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ.

اے اللہ! مونڈنے والوں پر رحم فرما۔

اور بال کاٹنے والوں کو ایک مرتبہ دعا دی [۱]

اور جن حضرات نے حج کے موقع پر آپ کے ساتھ بال کاٹے تھے انہوں نے پورے سر کے بال کاٹے تھے، لہٰذا چند بالوں پر اکتفا کرنا حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی سر کے بال ایک پورا کاٹ دینے سے اِحرام سے نکل جاتا ہے، مگر افضل واعلیٰ ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ پورے سر کے بال مونڈے جائیں، اور دوسرے مرتبہ پر یہ ہے کہ پورے سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹے جائیں، چوتھائی سر پر اکتفا کرنا مکروہ ہے اگرچہ اس سے احرام سے نکل جاتا ہے۔ اور اگر ایک پورے کے بقدر بال نہ ہوں تو احرام سے نکلنے کے لیے سر مونڈنا ہی لازم ہوتا ہے، خوب سمجھ لیا جائے۔

۵۲۔ بیمہ زندگی اور سودی لین دین کرنے والوں کا کہنا کہ مولوی ترقی نہیں کرنے دیتے:

بہت سے لوگ لائف انشورنس یعنی بیمہ زندگی کراتے ہیں جو قمار یعنی جوئے کی ایک قسم ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر کسی شخص نے کچھ اقساط جمع کیے ہوں تو توبہ کرلے اور جس قدر رقم جمع کی ہے صرف اسی قدر وصول کرلے، اس سے زائد اس کو یا اس کے وارثوں کو لینا حرام ہے۔ اور بہت سے لوگ بینک سے سود لیتے ہیں یا سود دیتے ہیں، اور خاصی تعداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عوام کو قرض دے کر سود وصول کرتے ہیں، جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ بیمۂ زندگی جوئے کی ایک صورت ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اور سود کا لین دین بھی حرام ہے اور باعثِ لعنت ہے تو مولویوں کو کوسنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں کا یہی کام ہے کہ قوم کی ترقی کا جو بھی کوئی راستہ نکلتا ہے اس میں آڑے آجاتے ہیں اور فتویٰ ٹھوکنے لگتے ہیں۔ دوسری قومیں کہاں سے کہاں نکل گئیں! ان میں بڑے بڑے مال دار ہیں، سیٹھ ہیں، ان کے بینک جاری ہیں، مولویوں نے قوم کو تنگ دستی کے غار میں دھکیل دیا اور چُناں ہے چُنیں ہے [اور ایسا ہے اور ویسا ہے]۔

یہ باتیں قوم کے جھوٹے خیرخواہوں کی زبان اور قلم سے نکلتی رہتی ہیں۔ مولویوں کو کوسنے سے حرام حلال نہیں ہوجائے گا، مولویوں کا احسان ہے کہ وہ بتادیتے ہیں کہ یہ کام حرام ہے اور گناہ ہے۔ وہ اپنے پاس سے کچھ کہیں تو طعن وتشنیع کرنے کی کوئی وجہ بھی ہے، لیکن جب وہ قرآن

[۱] مشکاۃ المصابیح (ص: ۲۳۳)

وحدیث سے بیان کرتے ہیں تو جولوگ مسلمان ہونے کے دعویٰ دار ہیں ان پر لازم ہے کہ مولویوں کی بات مانیں اورحرام سے بچیں۔قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾[1]

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے کسی کفر کرنے والے کو، کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔

’’بیان القرآن‘‘ میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

سود کی لعنت: کہ کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہوجاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے، کیوں کہ وہاں اس پر عذاب ہوگا، برخلاف اس کے صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن مآلِ کار اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتے ہیں کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھتا ہے، کیوں کہ وہاں اس پر بہت سا ثواب ملے گا۔[2]

حضورِ اَقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کا ایک درہم جس کو انسان کھالے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔اور دوسری حدیث میں یوں ہے کہ سود کے گناہ کے ستّر حصے ہیں، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ جیسے انسان اپنی ماں سے زنا کرے۔[3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا کہ (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔[4]

مولویوں کا یہی تو قصور ہے کہ قرآن وحدیث بیان کرتے ہیں اور گناہوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔عجیب بات یہ ہے کہ گناہ گار اپنے کو گناہ گار نہیں سمجھتے، اور جو لوگ یہ بتاتے ہیں کہ تم گناہ کررہے ہو تو الٹے ان کو صلواتیں سناتے ہیں، اور برا بھلا کہہ کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرلیتے ہیں۔کیا مولویوں کو برا کہنے سے حرام، حرام نہ رہے گا؟ کیا آخرت میں یہ حیلہ کام دے گا کہ مولویوں نے بتایا تو تھا ہم نے ان کی بات نہ مانی، اور ان کو بُرا بھلا کہہ کر حرام کو شیر مادر کی طرح ہضم کرگئے۔خوب غور کریں کہ میدانِ آخرت میں کیا ہوگا؟ چوری وسینہ زوری کا انجام خود سمجھ

[1] البقرة:۲۷٦ [2] بیان القرآن [3] مشكاة المصابيح (ص:٢٤٦) [4] مشكاة المصابيح (ص:٢٤٤)

لیں! گناہ بھی کریں اور مولویوں کی غیبتیں بھی کریں، اور قرآن وحدیث کے اَحکام سن کر کانوں پر ہاتھ دھریں، کیا یہی مسلمانی ہے؟

کافر کی ترقی اور مسلم کی ترقی میں فرق: یہ جو کہتے ہیں کہ دوسری قومیں ترقی کر گئیں اور مولویوں نے سود اور جوئے سے روک کر ترقی سے روک دیا، یہ تو جب صحیح ہوتا جب مولویوں کی بات مانی ہوتی۔ مولویوں کی بات مانتے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے طاعت وفرماں برداری کی وجہ سے عالَمِ غیب سے رحمتوں اور نعمتوں کا نزول ہوتا۔ مولویوں کی بات مانی بھی نہیں پھر بھی وہی موردِ الزام ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طاعت وفرماں برداری پر چلیں تو سارا جہان قدموں میں آجائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾[1]

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔[2]

اسلام کے دعوے داروں کا یہ حال ہے کہ طاعت وعبادات کے ذریعہ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں لینے کو تیار نہیں، گناہوں کے ذریعہ ترقی کرنا چاہتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ گناہ کے ذریعہ جو مال ملے گا وہ حرام بھی ہوگا، اور بے برکت بھی۔ نیز دنیا کی بربادی کا بھی ذریعہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا بھی سبب ہوگا۔ کافروں کی دیکھا دیکھی گناہوں کے ذریعہ مالیاتی ترقی کرنا بہت بڑی بھول ہے۔ کافر کے لیے تو دنیا ہی ہے، موت کے بعد تو اس کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔ ان کے لیے دنیا جنت ہے ان کی مالیاتی ترقی اور لذتوں والی زندگی دیکھ کر حرص کرنا، رال ٹپکانا، اپنے ایمان واسلام کی ناقدری ہے۔ حضورِ اَقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی فاجر کو کسی نعمت میں دیکھ کر ہرگز رشک نہ کر، کیوں کہ تجھے اس چیز کا پتہ نہیں جس سے موت کے بعد اسے ملاقات

[1] الأعراف: ٩٦ [2] ترجمہ از بیان القرآن

کرنا ہے، بلاشبہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے ایک قاتل ہے جسے موت نہیں آئے گی، اور وہ قاتل دوزخ ہے۔[1]

بھلا جسے دوزخ میں جانا ہو اس کی دنیا دیکھ کر کیا رشک کرنا؟ اور نظریں اٹھا کر اس کی طرف کیا دیکھنا؟ اللہ تعالیٰ کافروں کو زیادہ دیتا ہے اس طرح ان کو ڈھیل ملتی ہے جس کی وجہ سے اور زیادہ سرکش ہوتے ہیں اور اس سرکشی کا انجام گرفت، عذاب اور دوزخ ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ o وَاُمْلِیْ لَھُمْ ط اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ﴾[2]

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لیے جارہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔[3]

بہت سے لوگ یوں کہتے ہیں کہ جوا، بیمۂ زندگی اور سود کے لین دین میں نفع ہے، مولوی لوگ نفع کی چیزوں سے منع کرتے ہیں۔ خدمت میں عرض یہ ہے کہ مولوی اپنے پاس سے منع کریں تب تو ان کو برا کہا جائے، ہر فائدہ کی چیز حلال نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْھِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا﴾[4]

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

کتنی واضح بات ہے کہ نفع ہوتے ہوئے ان میں بڑا گناہ بتایا ہے، اہلِ دنیا صرف دنیا کے ظاہری موجودہ نفع کو دیکھتے ہیں، اور نہ اس کے دنیاوی انجام پر نظر رکھتے ہیں، نہ آخرت کے انجام کو سوچتے ہیں۔ وَاللّٰہُ الْھَادِیْ إِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ.

۵۳۔ جن علاقوں پر مصیبت آئے ان کا غلط حیلہ: دنیا میں مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں آتی رہتی ہیں: فسادات، بلوے، قتل وغارات،

[1] مشکاة المصابیح (ص: ٤٤٧) [2] الأعراف: ١٨٢، ١٨٣ [3] بیان القرآن [4] البقرة: ٢١٩

قحط سالی اور دوسری آفات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں فسق وفجور، گناہ گاری وسرکشی بڑھ جاتی ہے۔ ان کو متنبہ کرنے اور طاعت وعبادت کی طرف رُخ موڑنے کے لیے اللہ جل شانہٗ طرح طرح کی آفات ومشکلات بھیجتے رہتے ہیں۔ اور عام طور سے مسلمان اس بات کو جانتے اور مانتے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ سب تسلیم کرنے کے باوجود گناہ چھوڑنے اور طاعات میں لگنے پر آمادہ نہیں ہوتے، تاہم وہ لوگ غنیمت ہیں جو اپنے کو گناہ گار مانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آئی ہیں۔

لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے ہیں تو اپنے کو گناہ گار اور خطا کار سمجھنے اور توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے خدائے پاک پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں، اور اس اعتراض کو اپنی گناہ گاری اور سرکشی کے جواز کا حیلہ بنا لیتے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ کیا ہمارا ہی علاقہ گناہ گار ہے جو ہم پر مصیبت آئی؟ فلاں علاقہ اور فلاں ملک میں تو لوگ آرام وچین سے ہیں، کیا وہ سب متقی وپرہیز گار ہیں؟ کیا مصیبت بھیجنے کے لیے ہم ہی رہ گئے تھے؟ یہ لوگ خدائے تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں جو کفر کی بات ہے۔ اللہ جل شانہٗ بیک وقت سارے عالم کے انسانوں پر آفت ومصیبت نہیں بھیجتے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت کے مطابق ہوتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ سارے انسانوں پر بیک وقت مصیبت بھیج کر متنبہ کیا جائے، یا سب پر ایک ہی قسم کے مصائب ومشکلات بھیجی جائیں۔ آگے پیچھے تنبیہ سب کو کی جاتی ہے اور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے کے بجائے اپنے اعمال کو درست کرنا لازم ہے۔ جو شخص تنبیہ کے باوجود نہ سمجھے اس سے بڑھ کر احمق نہیں۔ لوگوں کا یہ مزاج بن گیا کہ بدعملی نہیں چھوڑتے، اور مصیبتیں آتی ہیں تو یہ نہیں مانتے کہ یہ ہمارے گناہوں کا سبب ہے، لہٰذا اطاعات کی طرف نہیں پلٹتے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

﴿قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّاءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً وَّھُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝﴾[1]

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو، تا کہ وہ گڑگڑائیں۔ پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی، اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واَجداد کو بھی تنگی وراحت پیش آئی تھی، تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔

یہ انسان کا مزاج بن گیا ہے کہ نہ دکھ تکلیف سے متاثر ہو کر خدائے پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ نعمتوں سے مالا مال ہو کر اپنے رب کا شکر گزار ہوتا ہے۔ جب توجہ دلائی جائے کہ دیکھو گناہوں کی وجہ سے یہ عذاب آیا تو کہتے ہیں کہ اجی! یہ تو سب انقلابات ہیں اور زمانہ کے اتفاقات ہیں، ہمارے باپ دادوں کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں، نرمی گرمی تو دنیا میں چلتی ہی ہے، ان مصیبتوں کا گناہوں سے کیا تعلق؟ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ پھر گناہ گار ہی مرتے ہیں، دنیا میں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور آخرت کا عذاب بھگتنے کے لیے تیار ہوئے، یہ ہے ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾[2] اللہ محفوظ رکھے۔

۵۴۔ اولاد کو اسلام سے جاہل رکھ کر کہنا کہ یہ تبلیغ اسلام کریں گے: انگریزی اور ہندی وغیرہ پڑھنے کا عام رواج ہو گیا ہے یہ زبانیں عموماً اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اسکولوں کا مزاج دینی اور اسلامی نہیں ہوتا، خاص کر ہندوستان میں تو ہندوانہ باتیں سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور مشن اسکولوں میں خواہ ایشیا میں ہوں، اور یورپ وغیرہ میں نصاریٰ کا مذہب ذہنوں میں بٹھانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ پاکستان اور بعض دیگر ممالک جہاں اہل علم اسلامی اَحکام اور اسلامی تقاضوں سے عوام کو وابستہ رکھنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں، وہاں اسکولوں اور کالجوں میں کھل کر تو کسی دوسرے دین کی تبلیغ نہیں کی جاتی، لیکن چوں کہ طرزِ تعلیم یہاں بھی یورپ ہی کے طریقہ پر ہے اس لیے اسکول وکالج کے ماحول میں انسان کے دین دار بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسکولوں اور کالجوں کے ماحول میں بہت سے لوگ بددین اور ملحد ہو جاتے ہیں، اور فاسق تو عموماً سبھی ہوتے ہیں۔ علوم عصریہ پر توجہ دی جاتی ہے، دینی تعلیم نام کو

[1] الأعراف: ۹۴، ۹۵ [2] الحج: ۱۱

ذرا بہت نصاب میں رکھ دی جاتی ہے۔ پھر دینی عملی زندگی کا ماحول نہیں ہوتا، اور دینی تعلیم دینے والے اساتذہ خود دین دار نہیں ہوتے، اس لیے طلبہ اور طالبات پر بے دینی یا کم از کم بے عملی ہی کے اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اور خاص کر لڑکیوں کو ہندی، انگریزی کیوں پڑھاتے ہیں؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ جب کوئی زبان نہ پڑھیں گے تو اس زبان میں اسلام کی تبلیغ کیسے کریں گے؟ بظاہر بات تو معقول ہے، لیکن اپنا محاسبہ کریں کہ کیا واقعی اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے ہندی وانگریزی پڑھاتے ہیں، یا یوں ہی دوسرے کا منہ بند کرنے کے لیے بطور بہانہ تبلیغ کا نام لے لیتے ہیں۔ اگر ہندی یا انگریزی یا فرانسیسی یا کسی بھی زبان میں دین اسلام کی تبلیغ کرانا چاہیں تو پہلے اسلام تو سکھاؤ، یہ جو چند آیات اور چند احادیث کا ترجمہ میٹرک تک پہنچنے تک یاد کرادیا جاتا ہے، یا بی۔ اے، ایم۔ اے بلکہ پی۔ ایچ۔ ڈی میں تھوڑا بہت اسلامی چیزوں کا نام لے لیا جاتا ہے کیا یہ اسلام کو پورے اَحکام وتقاضوں کے ساتھ جاننے اور تبلیغ کرنے کے لیے کافی ہے؟ اسلام کی تبلیغ کرنا ہے تو پہلے اسلام سکھاؤ، قرآن وحدیث کا ماہر بناؤ، پھر کوئی دوسری زبان بھی سکھادو۔ اسلام سیکھے بغیر اسلام کی تبلیغ کیسے ہوگی؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے بے عمل فاسق تو ہوتے ہی ہیں ان میں بہت سے ملحد ہوتے ہیں، اسلام کی حقانیت ہی میں ان کو شک ہوتا ہے۔ چوں کہ ماہر علمائے اسلام سے علم حاصل نہیں کرتے، اس لیے یہود ونصاریٰ کی تحریرات دیکھ کر الٹے اسلام ہی پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ اسلام کو جانتے نہیں اس لیے دفاع نہیں کرسکتے اور شک وشبہ کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

کافروں سے اسلامیات کی ڈگری لینا دین کا مذاق ہے: جسے کافروں نے اسلامیات کی ڈگری دی ہو (جیسا کہ آج کل ہورہا ہے) وہ صحیح اپنا اسلام تو باقی رکھ لے یہی غنیمت ہے، دوسروں کو اسلام کی کیا تبلیغ کرے گا؟ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ لڑکے، لڑکیاں سب اکٹھے بیٹھ کر بے پردگی کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، عین اسلامیات کے گھنٹہ میں اسلام کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس پر طُرّہ [تعجب] یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ اپنے علم وعمل کی فکر کرو،

گناہ سے بچو، تبلیغ کرنی ہے تو قرآن وحدیث کے ماہر بنو۔

۵۵۔ داعی ومبلغِ اسلام سے الجھنا کہ تم حکمت عملی نہیں جانتے: فرائض وواجبات اور تمام نیک کاموں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا ہر مسلمان کی ایک اہم ذمہ داری ہے، جس کو شریعت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ فرائض وواجبات چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، جب کوئی عالم اور مبلغ وداعی ان سے کہتا ہے کہ اس فریضہ کو انجام دو اور اس گناہ کو چھوڑ و، تو اس عالم اور مبلغ ہی سے اُلجھ پڑتے ہیں۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ مولوی صاحب کو تبلیغ کرنا بھی نہیں آتا، سارا حرام وحلال ایک ہی دفعہ بیان کردیا، داعی کا کام یہ ہے کہ ترتیب سے لے کر چلے اور دِھیرے دِھیرے راستہ پر لگائے۔ اور یہ کہنے کے بعد اپنے کو عمل سے فارغ سمجھ لیتے ہیں اور بدستور ترکِ فرائض وواجبات اور ارتکابِ محرمات میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مبلغ نے اپنا کام کردیا اور ہم نے اپنا کام کردیا، یعنی مبلغ کی غلطی پکڑ دی کہ تو آہستہ آہستہ ترتیب سے تبلیغ نہیں کرتا۔

جیسے بے عمل بلکہ بدعمل تھے ویسے ہی رہے اور مبلغ پر اعتراض جڑ دیا، اور نفس کو سمجھا لیا کہ ہم نے بڑا کمال کیا۔ یہ سوال وجواب اور چرب زبانی آخرت میں کام دینے والی نہیں ہے۔ کوئی مبلغ آپ سے کچھ بھی نہیں کہتا تب بھی آپ کے ذمہ تھا کہ پورے دین پر عمل کرتے۔ اگر کسی مبلغ نے تفصیل سے حرام وحلال کی تفصیل بتادی، یا کسی خاص گناہ پر ٹوک دیا تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے خیر کی طرف متوجہ کیا۔ اسلام قبول کرلیا تو سارے دین پر چلنے کا اقرار کرلیا، دین پر عمل نہ کرنا اور داعی ومبلغ پر اعتراض جڑ دینا کہ تو نے حکمت عملی سے کام نہیں لیا، یہ طریق کار بے عملی کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہے اگرچہ مبلغ، داعی کا کام یہ ہے کہ موقع دیکھ کر تبلیغ کرے، جہاں مناسب جانے پورے فرائض وواجبات بتائے اور گناہوں کی تفصیلات سے آگاہ کرے، اور جہاں مناسب جانے اجمالی بات کرے۔ اگر حکمت کے تقاضے پر خصوصی کسی عمل پر روک ٹوک کرے تو یہ بھی ٹھیک ہے اور یہ سب اس کی صواب دید پر ہے۔ تم مبلغ کو اُلٹا سبق کیوں پڑھاتے ہو کہ وہ ایسا کرے، تمہارا کام تو عمل کرنا ہے، عمل کرتے چلے جاؤ، اس کی حکمت عملی کے تقاضے اس پر چھوڑ دو۔

۵۶۔ مبلغ سے کہنا کہ فلاں بھی تو گناہ میں مبتلا ہے: بعض لوگوں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جب ان کو کسی عمل پر توجہ دلائی جاتی ہے کہ شرعاً یہ درست نہیں ہے تو کلمۂ خیر کہنے والے کو یوں جواب دے دیتے ہیں کہ آپ فلاں سے کیوں نہیں کہتے؟ وہ بھی تو گناہوں میں مبتلا ہے۔

یہ بھی عجیب جاہلانہ جواب ہے، آپ تو یہ دیکھیے کہ مجھے جس بات پر ٹوکا ہے شرعاً وہ گناہ ہے یا نہیں، اگر گناہ ہے تو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے اور اس گناہ کو چھوڑ دینا چاہیے جس میں مبتلا ہیں، اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں کہ فلاں کو تبلیغ کیوں نہ کی؟ تبلیغ کرنے والا موقع موقع سے جس کے لیے جس وقت مناسب جانے گا اظہارِ حق کرے گا، اور کلماتِ حق کہے گا۔ کیا اس حیلہ سے ہمیں گناہ کرنا جائز ہو جائے گا کہ مبلغ نے ہمیں تبلیغ کی اور فلاں کو نہ کی، ہر شخص کو اپنی خیر وخوبی اور خرابی پر غور کرنا چاہیے۔

وہ بھی تو فلاں گناہ میں مبتلا ہے، یہ کہا اور اپنے نفس کو مطمئن کر دیا کہ تجھے گناہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ جس نے تبلیغ کی تھی اس کا منہ بند کر دیا۔ کیا اس سے آخرت کے مؤاخذہ سے بچ جائیں گے؟

دوسرا اگر گناہ کرتا ہو تو اس کی وجہ سے خود گناہ کرنا جائز نہیں ہو جاتا، حیلہ نمبر۲ کے ذیل میں ہم اس پر کلام کر چکے ہیں۔ دوسرا اگرچہ گناہ گار ہو لیکن جب ہمیں کلمۂ خیر کہہ رہا ہے اور برائی سے روک رہا ہے اور ہمارا ایمانی تقاضا یاد دلا رہا ہے تو ہمیں گناہ سے بچ جانا لازم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ بھی بے عمل ہے سو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ عامل بھی ہو اور مبلغ بھی ہو، لیکن مبلغ کے گناہ گار ہونے سے ہمارے لیے جائز نہیں ہو جاتا کہ ہم بھی گناہ پر جمے رہیں، یہ تو بہت موٹی سی بات ہے۔

۵۷۔ ہم سینکڑوں گناہ کرتے ہیں ایک گناہ چھوڑ دیا تو کیا ہوگا؟ بعض لوگوں کو جب کسی گناہ کے چھوڑنے پر تنبیہ کی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں: ارے میاں! رات دن ہم سینکڑوں گناہ کرتے ہیں، اس ایک گناہ کے چھوڑنے سے کیا ہوگا؟ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے اور نفس کا فریب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کی وفاداری کا عہد کر چکا ہے، جتنے گناہ زیادہ ہوں گے اتنی ہی بغاوت اور نافرمانی زیادہ ہوگی، اور جتنے بھی گناہ کم ہوں گے اسی قدر بغاوت ونافرمانی کم ہوگی۔ اگر ایک گناہ بھی چھوڑ دیا تو بغاوت میں کمی آ گئی، اور بقدر اس ایک گناہ کے

عذاب سے بھی محفوظ ہو گیا (کیوں کہ اگر یہ گناہ آگے ہوتا تو جتنی دفعہ بھی اس کو کرتا اس کے بقدر عذاب کا مستحق ہوتا)۔

دنیاوی مصیبتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کوشش کرتا ہے جتنی بھی مصیبت اور تکلیف کم ہو اچھا ہے، اگر ایک سو تین ڈگری بخار ہو اور ایک ڈگری بھی کم ہو جائے تو خوش ہوتے ہیں، اگر چند امراض لاحق ہوں اور ایک مرض کی شدت میں بھی کچھ کمی ہو جائے تو اس کو بھی غنیمت جانتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ آخرت میں گناہوں پر عذاب ہے، اور وہاں کے عذاب کی کسی کو سہار نہیں ہے لہٰذا عذاب کے اسباب میں جتنی بھی کمی ہو بہتر ہے۔ اگر میدانِ قیامت اور دوزخ کا تصور کریں گے تو بہت جلدی یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ ہزاروں گناہوں میں سے ایک کم ہو جائے وہ بھی بسا (بہت) غنیمت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سب گناہوں سے توبہ کرنا فرض ہے، اور توبہ میں دیر لگانا جائز نہیں ہے۔ پس اگر پورے گناہوں کو بیک وقت نہیں چھوڑتے، کچھ تو چھوڑو۔ گناہ چھوڑنے کی نفس کو عادت ڈالو گے اور ایک ایک کر کے چھوڑتے چلے جاؤ گے ان شاء اللہ کبھی سارے گناہوں سے پکی توبہ بھی نصیب ہو جائے گی۔

۵۸۔ کسی گناہ سے روکا جائے تو پوچھتے ہیں کہ یہ حرام ہے یا ناجائز؟ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو کسی گناہ سے روکا جاتا ہے تو یوں پوچھتے ہیں کہ یہ حرام ہے یا ناجائز ہے؟ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حرام ہے تو بچ جائیں گے کیوں کہ حرام کے ہتھوڑے کا ڈر ہے، اور ناجائز ہے تو کرتے رہیں گے یعنی یہ جاہل ناجائز سے بچنے اور ڈرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اول تو ناجائز کا مطلب سمجھنا چاہیے، جس چیز کے کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہو اس کو ناجائز کہا جاتا ہے۔ پس جس کام کی اجازت نہیں ہے اس کو کرنا اور دھڑلے سے کرنا اور ناجائز جانتے ہوئے کرنا ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے اور بڑی سرکشی ہے۔ مؤمن بندہ کا کام یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی سے بھی بچے، اور مکروہ تحریمی سے بھی دور بھاگے، ہر ناجائز سے سخت پرہیز کرے، اور حرام کے پاس نہ پھٹکے، یہ سمجھنا کہ حرام نہیں ہے لہٰذا کر گزرو بڑی نادانی کی بات ہے۔ یہ بات تو نہیں کہ صرف حرام پر پکڑ ہو، پکڑ تو ہر چھوٹے بڑے گناہ پر ہو سکتی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ

إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِباً.[1]

ان گناہوں سے (بھی) پرہیز کرو جن کو معمولی سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والا (یعنی لکھنے والا فرشتہ) موجود ہے۔

وفا دار بندوں کا طرزِ عمل: ایمان کا تقاضا یہ ہے جو بھی حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملے اس پر بڑی رغبت و بشاشت کے ساتھ عمل کرے۔ وفادار بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ عمل نہ کیا تو مار پڑے گی۔ جو مار کے ڈر سے عمل کرتے ہیں ڈنڈے کے غلام ہیں۔ ایمانی وفاداری یہ ہے کہ ہر حکم پر بلاچون وچرا عمل کیا جائے۔ خالقِ کائنات جل مجدہٗ نے جب وجود بخشا ہے، اَن گنت نعمتوں سے نوازا ہے، اس کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم سنے مان لے اور عمل کرے۔

مکروہ ومستحب کے معنی بدل لیے گئے ہیں: آج کل لوگوں کا مزاج یہ ہوگیا ہے کہ مکروہ سے تو بچتے ہی نہیں اگرچہ تحریمی ہو، جب کسی عمل کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکروہ ہے، اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس کو کرنا چاہیے، اور کسی بات کے بارے میں اگر معلوم ہو کہ یہ مستحب ہے تو اس کا معنیٰ ان کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ اس کو نہ کرو، مفہوم ہی الٹ چکا ہے۔ ثواب کی رغبت نہیں، گناہ سے وحشت ونفرت نہیں، گناہ، گناہ ہی ہے جتنا بھی ہلکا ہو۔ جب نفس کو مکروہ کام سے بچانے کا اہتمام کریں گے تو وہ حرام سے بھی بچے گا، سنتوں اور مستحبات کی پابندی کرائیں گے تو فرائض وواجبات کی پابندی کے لیے بھی راضی ہوگا۔ نفس کو جہاں ڈھیلا چھوڑا فوراً عمل میں آگے بڑھنے سے بچے گا۔ کبھی ایسی بات نہ سوچیں کہ مکروہ ہی تو ہے لاؤ کرلیں، یا سنت ہی تو ہے اسے چھوڑ دیں بلکہ نفس کو سمجھائیں کہ سنتیں اور مستحبات عمل کرنے کے لیے ہیں، اور مکروہ اور گناہ چھوڑنے کی چیز ہے۔ آخرت کے عذاب وثواب کا مراقبہ کریں اور نفس کو وہاں کی نعمتیں یاد دلائیں اور گناہوں پر جو عذاب ہوگا اس کا استحضار کریں، ایسا کرنے سے نفس قابو میں رہ سکتا ہے۔ جو شخص گناہوں کا ارتکاب کرے گا اپنا ہی برُا کرے گا۔ دانش مندوں کا یہ کام نہیں کہ حرام

[1] مشکاة المصابیح (ص: ٤٥٨)

کے ہتھوڑے سے توڑ دیں اور دوسرے گناہوں کو حلال سمجھ کر اختیار کرتے رہیں، اور آخرت کی مصیبت کے لیے تیار رہیں۔

۵۹۔غیبت اور بہتان کو آگے بڑھانا: بعض لوگ بے تکلف دوسروں کے بارے میں مردہ ہو یا زندہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو محض اڑائی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کی تصدیق اور توثیق کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس طرح سے ان کی غیبت بھی ہوتی ہے اور بہتان طرازی بھی، جس کا انجام آخرت میں بہت سخت ہے۔ جب ان لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے اور گناہِ کبیرہ ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ''اَلابَلا بر گردنِ راوی''۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تو دوسروں کی کہی ہوئی بات نقل کر رہے ہیں، حالاں کہ اگر کوئی شخص کسی پر بہتان باندھے تو دوسروں کو یہ جائز نہیں ہوجاتا کہ اس بہتان کو آگے بڑھائیں اور عوام وخواص میں اس کو پھیلائیں۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کی غیبت کرے تو کسی کو اس کا سننا ہی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کا آگے بڑھانا جائز ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اَلابَلا بر گردن راوی کہہ دینے سے اپنا چھٹکارا نہیں ہوجاتا، اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ دوسرے کے احوال بیان کرنے سے خاموشی ہی میں خیر ہے۔

کتاب قریب الختم ہے، جی چاہتا ہے کہ ختم سے پہلے مردوں کے ایک عام گناہ یعنی ڈاڑھی مونڈنے کے حیلے اور بہانے، اور عورتوں کے ایک عام گناہ یعنی بے پردگی کے حیلے اور بہانے بھی لکھ دیے جائیں۔ کتاب لکھنے کے دوران ان دونوں گناہوں کو جائز کرنے کے بارے میں جو لوگوں کی جاہلانہ دلیلیں ذہن میں آئیں ان کو مع تردیدی جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

پردہ کے متعلق حیلے بہانے: پردہ حکم شرعی ہے اور واجب ہے، لیکن خال خال ہی ایسے خاندان پائے جاتے ہیں جن میں شرعی پردہ کا اہتمام کیا جاتا ہو۔ جو عورتیں پردہ کرتی ہی نہیں، بازاروں، مَیلوں اور پارکوں میں بے پردہ بن ٹھنی پھرتی ہیں اور نصرانی عورتوں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھتی ہیں اس وقت ان کا ذکر کرنا مقصود نہیں، انہوں نے تو طے کرلیا ہے کہ ہم کو اس بارے میں اسلام کے مطابق عمل کرنا ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دین پر عمل کرنے کے جذبات نصیب فرمائے (آمین)۔

جو عورتیں پردہ کرنے والی ہیں ان کی بے پردگی کے چند حیلے بہانے ذکر کرنا مقصود ہے۔

۶۰۔ نامحرموں سے پردہ واجب ہے: مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ نامحرم ہیں ان سے پردہ کرنا واجب ہے۔ محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو، اور نامحرم وہ ہے جس سے کبھی نہ کبھی نکاح ہوسکتا ہو۔

ماموں، پھوپھی، خالہ اور چچا کے لڑکے نامحرم ہیں: ماموں اور پھوپھی کے لڑکے اور چچا اور خالہ کے بیٹے بھی نامحرم ہیں لیکن بڑی بڑی پردیل خواتین ان سے پردہ نہیں کرتیں، اور ان سے پردہ کرنے کو عار اور عیب سمجھتی ہیں۔ رشتہ داروں میں بھی بہت سے جاہل ہوتے ہیں جو بطور اعتراض یوں کہتے ہیں کہ ہم ماموں یا پھوپھی یا خالہ یا چچا کے گھر گئے تھے، ان کی لڑکی نے ہم سے پردہ کیا اور غیر سمجھا، حالاں کہ شریعت پر چلنے کا ارادہ ہو تو اپنا ہر جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب شریعت نے ان رشتوں کو اتنا قریب قرار نہیں دیا کہ بے پردہ ہو کر سامنے آئیں تو اپنے اور غیر کا سوال اٹھانا جہالت کی بات ہے۔ آپ کا رشتہ ماموں اور پھوپھی اور خالہ سے ہے جو قریب ترین رشتہ ہے، اور ان سے پردہ کا حکم بھی نہیں ہے اور ان کی اولاد سے چوں کہ نکاح جائز ہے اس لیے ان سے پردہ ہے۔

جیٹھ، دیور، بہنوئی، نندوئی سے پردہ لازم ہے: جیٹھ، دیور، بہنوئی اور نندوئی سب کو اپنے سگے بھائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ ان لوگوں سے پردہ کرنے کو کہا جاتا ہے تو الٹے سیدھے سوال جواب کرتی ہیں اور شریعت کے حکم کو ٹھکراتی ہیں، دیور کے بارے میں کہتی ہیں کہ یہ تو ہمارے سامنے کا چھوٹا سا بچہ ہے، ہم نے اسے گود میں کھلایا ہے اس سے کیا پردہ؟ فضول کی کٹ حجتی کرتی ہیں، جب چھوٹا تھا تو چھوٹا تھا اب تو چھوٹا نہیں رہا، چھوٹے کا حکم اور ہے بڑے کا حکم اور ہے۔

۶۱۔ عورتوں کا یہ کہنا کہ آنکھ یا دل کا پردہ کافی ہے اس کا جواب: بعض جہالت کی ماری یوں کہتی ہیں کہ آنکھ کا پردہ کافی ہے، کبھی کہتی ہیں کہ دل کا پردہ ہونا چاہیے۔ شریعت کے حکم کے سامنے اپنی طرف سے مسئلے گڑھنا بہت بڑی حماقت ہے اور شریعت کا مقابلہ ہے، اگر دل کا پردہ کافی ہوتا عورتوں کو پردہ کے اندر رہنے کا حکم کیوں ہوتا؟ اور موٹی چادریں اوڑھنے اور خاص طور سے سر اور سینہ ڈھانکنے کا خصوصی حکم کیوں دیا جاتا؟ اور نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے

سے کیوں منع کیا جاتا ہے؟[۱]

اور یہ بات کہ نظر کا پردہ کافی ہے، یہ اس وقت چل سکتی تھی کہ جب سب مرد نظریں نیچی رکھتے اور سب عورتیں بھی نظریں نیچی رکھنے کی پابندی کرتیں، کوئی بھی نامحرم مرد یا عورت کسی نامحرم کو ہر گز نہ دیکھتا، لیکن چوں کہ نظروں پر قابو نہیں رہتا، نفس اور شیطان کی شرارت سے نظر ڈال لی جاتی ہے اس لیے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضورِ اقدس ﷺ سے صحابی خواتین نے پردہ کیا۔[۲] جب یہ بات ہے تو آج کون شخص ایسا ہے جو آپ ﷺ سے زیادہ دل کا پاک وصاف ہو سکتا ہے؟

۶۲۔ حج کے موقع پر بے پردگی کے مظاہرہ کی تردید: حج کے موقع پر بڑی بڑی پردہ والی بے پردہ ہو جاتی ہیں، پانی کے جہاز میں اور ہوائی جہاز میں اور جدہ، مکہ اور مدینہ میں نامحرموں کے جھرمٹ میں گھس جاتی ہیں، طواف کرتے ہوئے اور منیٰ وعرفات اور مزدلفہ میں بلا جھجک مردوں میں گھسی رہتی ہیں۔ اگر کوئی پردہ کو کہے تو کہہ دیتی ہیں کیا حج میں بھی پردہ ہے؟ حج میں پردہ کیوں نہیں، کس جاہل نے یہ بتایا کہ حج میں پردہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو فرماتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج میں تھے، جب مرد ہمارے پاس سے گزر رہے تھے تو ہم اور ہماری ساتھ والی خواتین چہرہ کے سامنے کپڑا لٹکا لیتی تھیں (یہ حدیث ''ابوداؤد شریف'' میں ہے)۔[۳]

احرام کا یہ مطلب نہیں کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے: مسئلہ کی صورت اتنی سی ہے کہ عورت اِحرام میں ہو تو چہرہ کو کپڑا نہ لگائے، کپڑا نہ لگنا اور بات ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا دوسری چیز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حالتِ احرام میں پردہ کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ چہرہ کے سامنے کپڑا لٹکائیں، اسی پر سب عورتیں عمل کریں۔ پھر یہ اِحرام تو چند دن ہی رہتا ہے، اِحرام کے دنوں

---

[۱] في سورة النور: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنّ﴾ (الآية: ۳۱) وفي سورة الأحزاب: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَبِيْبِهِنَّ﴾ (الآية: ۵۹). قال في "الجلالين": أي يرخين بعضها على الوجوه إذا خرجن لحاجتهن إلا عينا واحدة (ص: ۳۵۷) [۲] اس حدیث کا حوالہ آگے آرہا ہے۔ [۳] باب في المحرمة تغطي وجهها

کے علاوہ پورے سفرِ حج اور سفرِ عمرہ میں دو تین ماہ بے پردہ ہو کر رہنا کس دلیل سے جائز ہے؟ اور پھر چہرہ سے بڑھ کر ننگے سر پھرنا یا باریک دوپٹے اوڑھ کر سر کے بالوں کو جھلکانا اور دوسرے اعضا (بازو وغیرہ) کو دکھانا، اس کی کیا دلیلِ جواز ہے؟ کیا یہ بھی کوئی احرام کا مسئلہ ہے؟ کیا حج میں مرد مرد نہیں رہتے، یا سب سگے باپ یا سگے بھائی بن جاتے ہیں؟

بعض عورتیں خاص طور سے مدینہ منورہ میں پردہ کرنے کو بُرا سمجھتی ہیں، جب کوئی عورت پردہ کرتی ہے تو دوسری عورتیں کہتی ہیں: اری لے! یہ رسول اللہ ﷺ سے بھی پردہ کر رہی ہے۔ ان عورتوں کا یہ سوال عجیب ہے۔ حدیث مبارک میں تو یوں آیا ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے رسول اللہ ﷺ کو ایک پرچہ دینا چاہا، آپ نے اپنا دست مبارک سکیڑ لیا اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس نے عرض کیا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں (کی سفیدی) کو بدل دیتی یعنی مہندی لگا لیتی۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابی خواتین رسول اللہ ﷺ کے سامنے بے پردہ ہو کر نہیں آتی تھیں۔

عورتوں کا مدینہ منورہ میں بے پردہ گھومنے کا غلط حیلہ: پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ جو ہزاروں مرد مسجدِ نبوی اور مدینہ منورہ کے گلی کوچوں اور راستوں اور بازاروں میں چل پھر رہے ہیں، یہ تو رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں، ان سے پردہ کیوں نہیں؟ کیا یہ سب سگے بھائی ہیں؟ کیا ان کے مرد ہونے میں شک ہے؟ کچھ ہوش کی بات کریں۔

۶۳۔ پیروں کے سامنے بے پردہ آنا، یہ پیر خود بھی ڈوبے اور مریدوں کو بھی لے ڈوبے: بہت سی عورتیں پیروں سے پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو پیر میاں ہیں ان سے کیا پردہ؟ یہ بات ان کو جاہل پیروں نے سکھائی ہے تا کہ عورتوں کے جھرمٹ میں گھسے رہیں۔ ایسا شخص پیر و مرشد ہی نہیں جو شریعت کے خلاف چلتا ہو اور نامحرم عورتوں میں گھستا ہو، ان سے ٹانگیں دبواتا ہو، یا ان کو ہاتھ لگاتا ہو، ایسے جھوٹے پیروں نے اپنا بھی ناس کھویا اور اپنے مرید اور مریدنیوں کو بھی ڈبو دیا ہے۔

آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا: رسول اللہ ﷺ

[1] مشکاۃ المصابیح (ص: ۳۸۳)

سے بڑھ کر کوئی بھی مرشد نہیں ہے، جب آپ نے عورتوں کو بیعت فرمایا تو ارشاد فرمایا:

إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ[1]

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

جو لوگ واقعی اصلی اور حقیقی پیر ہیں وہ تو نامحرم عورتوں کو نہ اپنے سامنے بلاتے ہیں، نہ بیعت کے وقت ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔

مولانا سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: ہمارے دادا پیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ جب عورتوں کو مرید کرتے تھے تو درمیان میں موٹا پردہ ڈالنے کے باوجود پردہ کی طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے کہا کہ حضرت! جب درمیان میں پردہ ڈال لیا تو منہ دوسری طرف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سن کر فرمایا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میرا منہ کس طرف ہے، تمہارے اس سوال سے معلوم ہو گیا کہ تم جھانکا تانکی کرتی ہو اس وجہ سے میں پردہ کی طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھتا ہوں۔

۶۴۔ نامحرموں کو تانک جھانک کرنے پر تنبیہ: بہت سی عورتیں خود تو پردہ کر لیتی ہیں لیکن نامحرم مردوں کو جھانکتی رہتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

ایک نابینا صحابی کا واقعہ: حدیث شریف میں ایک واقعہ وارد ہوا ہے اسے غور سے پڑھیں۔ حضرت اُمُّ المؤمنین اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میمونہ رضی اللہ عنہا (یہ بھی ازواجِ مطہرات میں سے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اچانک (ایک صحابی) ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے (جو نابینا تھے)۔ وہ داخل ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرو۔ میں نے عرض کیا: کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا ان کو نہیں دیکھ رہی ہو۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی مردوں کو نہ دیکھیں، خوب سمجھ لو۔

۶۵۔ عورت کا چہرہ کھلا رہے تو نماز ہو جاتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ

---

[1] موطأ للإمام مالك: ما جاء في البيعة. [2] مشكاة المصابيح (ص: ٢٦٩) وأحمد والترمذي وأبو داود

نامحرم کے سامنے کھولنا جائز ہے: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں پردہ کا حکم تو اسلام میں ہے لیکن چہرہ کا پردہ نہیں ہے۔ ان نادانوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اگر چہرہ کا پردہ نہیں ہے تو مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا کیوں حکم ہے؟ (جو سورۃ النور میں واضح طور پر موجود ہے) چہرہ ہی میں تو کشش ہے اور وہی مجمع المحاسن ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾[1] سے چہرہ ڈھانکنے کا واضح حکم معلوم ہورہا ہے۔ اور بعض لوگوں کو نماز کے مسئلہ سے دھوکہ ہوا ہے۔ عورت کا ستر نماز کے لیے یہ ہے کہ پورا جسم ایسے کپڑے سے ڈھانکا ہوا رہے کہ بال اور کھال اچھی طرح چھپ جائے، نماز میں اگر چہرہ کھلا رہے تو نماز ہوجائے گی، اور اگر گٹوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں نماز میں کھلے رہیں تو یہ بھی مانع صلوٰۃ نہیں ہے۔ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ شرائطِ نماز کے بیان میں لکھا ہے پردہ کے بیان میں نہیں لکھا، منہ کھول کر نماز ہوجانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہوکر آنے کا ثبوت دینا بڑی بددیانتی ہے۔

پردہ کے متعلق فقہا کی ایک اہم تصریح: فقہا پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں، ان پاک طینت بزرگوں کے دل پہلے ہی کھٹک گئے تھے کہ فاسد الخیال لوگ مسائل نماز کی تصریحات سے نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہوکر استدلال کریں گے۔ ''دُرِمختار'' میں جہاں شرائطِ نماز کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چہرہ اور کفین (ہتھیلیاں) اور قدمین (پاؤں) ڈھانکنا صحتِ نماز کے لیے ضروری نہیں، وہیں یہ درج ہے:

وَتُمْنَعُ الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ رِجَالٍ، لَا لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ.[2]

اور جوان عورت کو نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا۔ اور یہ (روکنا) اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز) کے ستر میں داخل ہے، بلکہ اس لیے کہ (نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں) فتنہ کا خوف ہے۔

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ''زاد الفقیر'' میں شرائطِ نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

[1] الأحزاب: ۵۹ [2] الدرّ المختار: باب شروط الصلوٰۃ

وفي الفتاوى الصحيح أن المعتبر في فساد الصلوٰة انكشاف ما فوق الأذنين، وفي حرمة النظر يسوى بينهما أي ما فوق الأذنين وتحتهما.

فتاویٰ کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں سے اوپر (یعنی بال وسر) کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگی، اور غیر مردوں کے لیے کانوں کے اوپر کا حصہ اور کانوں کے نیچے کا حصہ یعنی چہرہ وغیرہ کے دیکھنے کا ایک ہی حکم ہے، یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے۔

۶۶۔ پردہ کے اَحکام کو مولویوں کی طرف منسوب کرنا: بہت سے لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور اپنے کو دین دار بھی سمجھتے ہیں اور پردہ کو بھی مانتے ہیں، لیکن ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کے سخت اَحکام مولویوں نے ایجاد کیے ہیں۔ یہ لوگ ملحدین، بددین لوگوں کی باتوں سے متأثر ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑا بہت اسلام سے تعلق باقی ہے ان کو راہِ حق سے ہٹانے کے لیے شیطان نے یہ نئی چال چلی ہے کہ ہر ایسے حکم کو جس کے ماننے سے نفس گریز کرتا ہو مولویوں کا تراشیدہ بتا دیتا ہے۔ اور اس کی بات کو باور کرنے والے اس دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم نے نہ تو اسلام کو جھٹلایا اور نہ قرآن کے ماننے سے پہلوتہی کی، بلکہ مولویوں کے غلط مسئلہ کا انکار کیا ہے۔ کاش! یہ لوگ اپنے مؤمنانہ ذمہ داری کا احساس کرتے اور علمائے حق سے گھل مل کر ان کے ظاہر وباطن کا جائزہ لیتے، اور ان کے بیان کردہ مسائل کے دلائل معلوم کر کے اپنے نفوس کو مطمئن کرتے۔ علمائے حق اپنی طرف سے کوئی بھی حکم تجویز کر کے امت کے سر نہیں منڈھتے، اور نہ وہ ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

بات صرف اتنی سی ہے کہ چوں کہ علمائے کرام کو قرآن وحدیث کی تشریحات اور اَحکامِ شرعیہ کی پوری پوری تفصیلات معلوم ہیں، نیز دین کی وسعتیں ورخصتیں بھی جانتے ہیں، اور شرعی پابندیوں اور عزیمتوں سے بھی واقف ہیں اس لیے تحریراً وتقریراً اَحکامِ شرعیہ کے حدود وقیود وضوابط وشرائط سے امت کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے لوگ چوں کہ شریعت کا پورا علم نہیں رکھتے اس لیے حقائقِ شرعیہ اور بالکل متفق علیہ مسائلِ دینیہ کو مولوی کی ایجاد کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ اور یہ عجیب تماشہ ہے کہ جس مسئلہ پر عمل نہ کرنا ہو خاص اسی سے بچنے کے لیے ایجادِ مولوی کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں، حالاں کہ نماز، روزہ وغیرہ کے جن مسائل پر عمل کرتے ہیں وہ بھی تو مولویوں نے ہی بتلائے ہیں، لیکن چوں کہ ان سے گریز کی

نیت نہیں ہے اس لیے ان کو صحیح مانتے ہیں۔ میدانِ قیامت میں جب پیشی ہوگی تو کیا ایسی کج روی اور حیلہ سازی جان بچا سکے گی؟

ڈاڑھی مونڈنے والوں کے حیلے اور بہانے اور لچر دلیلیں: بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو ڈاڑھی مونڈنے اور منڈانے کو گناہ سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس بارے میں گناہ گار مانتے ہیں، لیکن کثیر تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو حیلے بہانے تلاش کر کے اس فعلِ بد کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے عذر لنگ اور لچر دلیلیں جو اَب تک سننے میں آئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۶۷۔ اس بات کی تردید کہ آں حضرت ﷺ نے عرب کے ماحول کے مطابق ڈاڑھی رکھ لی تھی: کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ جس علاقہ اور جس ماحول میں تھے اس میں ڈاڑھیاں رکھی جاتی تھیں۔ آپ نے رواج کے مطابق ڈاڑھی رکھ لی تھی، لہٰذا یہ کوئی فعل شرعی نہیں ایک رواجی کام تھا جسے آپ نے اپنا لیا۔ اور بعض جاہل تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں ہوتے تو اپنی ڈاڑھی مبارک منڈایا کرتے (العیاذ باللہ!) ان جاہلوں کو معلوم نہیں کہ دینِ ابراہیمی میں سے جو چیزیں عرب میں باقی تھیں آں حضرت ﷺ نے انہیں کو اختیار فرمایا، جہالت اور جاہلیت کی جو چیزیں عربوں نے اپنے رواج میں جاری کر لی تھیں ان سے آپ نے روکا اور ان کو مٹایا، اور فرمایا کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے۔[1]

یہی نہیں کہ آپ نے خود ڈاڑھی رکھی بلکہ ڈاڑھی رکھنے کا اپنی امت کو حکم بھی فرمایا۔ ''بخاری شریف'' میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰى.[2]

یعنی مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو اور ڈاڑھیوں کو اچھی طرح بڑھاؤ۔

''مسلم شریف'' میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى.[3]

یعنی مونچھوں کو تراشو، اور ڈاڑھیوں کو لٹکاؤ۔

بالفرض حضورِ اَقدس ﷺ نے اہلِ مکہ کے رواج کے مطابق ڈاڑھی رکھ لی تھی تو رہتی دنیا تک

---

[1] مشكاة المصابيح (ص: ۲۲۵) في خطبة حجة الوداع [2] البخاري (۲/۸۷۵) [3] مسلم (۱/۱۲۹)

اپنی امت کو ڈاڑھیاں خوب بڑھانے کا بلکہ لٹکانے کا کیوں حکم دیا؟ اگر ایسا ہی تھا جیسا جاہل لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے رواج کی وجہ سے ڈاڑھی رکھ لی تھی تو آپ نے اپنی امت کو یہ ہدایت کیوں نہ فرمائی کہ تم جہاں جس ملک اور جس ماحول میں ہو ویسا ہی کرلینا، ڈاڑھی مونڈ نے کا رواج ہوتو مونڈ لینا اور اس کے رکھنے کا رواج ہوتو رکھ لینا۔ العیاذ باللہ!

نفس کی خواہشوں کا اتباع کرنے والوں کو شیطان کیسی کیسی پٹی پڑھاتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے عرب میں رواج پائے ہوئے ان طریقوں کو باطل قرار دیا جو جہالت اور جاہلیت کی وجہ سے رواج پکڑے ہوئے تھے۔ عربوں میں گودوانے کا رواج تھا عورتیں بالوں میں بال ملایا کرتی تھیں، مرد ڈاڑھیوں میں گرہ لگاتے تھے، کام کاج کے وقت ننگے ہوجایا کرتے تھے، مرد، عورت ننگے ہوکر طواف کرتے تھے، پیشاب، پاخانہ کے وقت پردہ کرنے کو عیب سمجھتے تھے، لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے، جب کسی عورت کا شوہر مرجاتا تھا تو اس سے ایک سال تک ایک کوٹھڑی میں عدت گزرواتے تھے اور ایک سال گزر جانے پر اسے بازاروں میں گھماتے تھے، اور وہ گزرتے ہوئے لوگوں پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتی جاتی تھی۔

اس طرح کی اور بہت سی خرافات میں عرب کے لوگ مبتلا تھے، حضورِ اقدس ﷺ نے ان چیزوں کو مٹایا، اگر آپ رواج سے متأثر ہوکر کوئی عمل اختیار کرتے تو ان چیزوں کو اختیار فرمالیتے اور ان جاہلوں کے خیال کے مطابق کم از کم ڈاڑھی میں تو گرہ لگا ہی لیتے، لیکن اس کے برخلاف آپ نے ایک صحابی سے یوں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائے بلاشبہ محمد اس سے بری ہیں، یعنی بےزار ہیں۔[1]

حضورِ اقدس ﷺ نے دینِ ابراہیمی کی چیزوں کو اپنایا اور جہالت کی چیزوں کو مٹایا ہے:

حضورِ اقدس ﷺ نے عرب کے جاہلوں کی اور جاہلیت کی کسی بات کو نہیں مانا اور جاہلیت کے کسی عمل کو نہیں اپنایا۔ دینِ ابراہیمی میں سے جو کوئی چیز عرب کے معاشرہ میں باقی تھی اس کو لے لیا اور دینِ ابراہیمی کے خلاف جو بھی کچھ تھا اس کو چھوڑ دیا۔ ڈاڑھی تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے رکھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ڈاڑھی والے تھے، آں حضرت ﷺ نے انہیں کا اتباع فرمایا

[1] سنن أبي داود (٦/١)

جس کا قرآن پاک میں حکم ہے:

﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾[1]

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کیجیے۔

جب ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا حکم ہو گیا تو ملتِ ابراہیمی کے اَحکام شریعتِ محمدیہ کا جزو بن گئے، اور ہر مسلمان پر لازم ہو گیا کہ ان کا اتباع کرے۔ اگر العیاذ باللہ! نبی ہی قوم اور وطن کے رواج کے بہاؤ میں بہہ جاتا تو پھر انسانوں کی اصلاح کا راستہ کیسے نکلتا؟ اور الٹا لوگوں کا اتباع کر کے کیسے ہادی اور رہنما بن کر سامنے آتا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾[2]

۶۸۔ اس دلیل کا جواب کہ یہودیوں کی مخالفت میں ڈاڑھی مونڈنی چاہیے: کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ڈاڑھی منڈانے کے جواز کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے اس وجہ سے ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا، آج کل چوں کہ یہودی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں اس لیے ان کی مخالفت میں ڈاڑھی منڈانا واجب ہوا۔ ان لوگوں کی یہ بات بھی جہالت سے بھرپور ہے، کیوں کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے مشرک اور یہودی ڈاڑھیاں رکھتے تھے اور فارس کے مشرکین ڈاڑھیاں منڈاتے تھے۔ دونوں باتیں آپ کے سامنے تھیں۔ آپ نے دونوں میں سے اسی چیز کو اختیار فرمایا جو دین ابراہیمی کے موافق تھی یعنی ڈاڑھی رکھی اور اپنی امت سے رکھوائی، اور اس کے برخلاف دوسرے فعل یعنی ڈاڑھی مونڈنے سے منع فرمایا اور اس کی مخالفت کا حکم فرمایا۔

اس وقت کے یہودیوں میں اور آج کے یہودیوں میں جو ڈاڑھی رکھنے کا رواج ہے وہ ان میں دین ابراہیمی کا ایک عمل باقی ہے، اس عمل کی مخالفت کرنا صحیح نہیں۔ اور ڈاڑھی مونڈنا چوں کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے طریقہ کے خلاف ہے اس لیے اس کی مخالفت واجب ہے۔ اگر ہر بات میں یہودیوں کی مخالفت کرنا واجب ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی رکھنے اور ختنہ کرنے دونوں کی مخالفت کا حکم فرماتے لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ تشبُّہ اور مخالفت کے کچھ اصول ہیں ان کو عُلمائے ربانیین ہی جانتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے والے بے عمل ہوں یا کالجوں اور

[1] النحل: ۱۲۳ [2] المائدۃ: ۱۰۰

یونیورسٹیوں کے گریجویٹ ہوں، وہ مشابہت اور مخالفت کا معیار سمجھتے ہی نہیں، نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے یہودیوں کی مخالفت کا بہانہ بنا کر ڈاڑھیاں تو مونڈ ڈالیں لیکن ختنہ ترک کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اللہ پاک انہیں دین کی سمجھ عطا فرمائے (آمین)۔

۶۹۔ اس دلیل کا جواب کہ عرب اور مصری بھی تو ڈاڑھی مونڈتے ہیں: بعض فیشن کے دل دادہ ڈاڑھی مونڈنے کے جواز کے لیے یوں کہتے ہیں کہ صاحب! عرب بھی تو ڈاڑھی مونڈتے ہیں اور مصر میں بھی ڈاڑھی مونڈی جاتی ہے، اور فلاں قوم میں بھی ڈاڑھی مونڈنے کا رواج ہے، لہٰذا ہم نے بھی مونڈی تو کیا ہوا؟

ان لوگوں سے ہمارا یہ کہنا ہے کہ اتباع اور اقتدا کے لیے رسولِ پاک ﷺ کی ذات اُسوہ اور نمونہ قرار دی گئی ہے، آپ کے قول اور فعل کے خلاف جو چلے اس کا اتباع کرنا گناہ گاری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اتباع کو چھوڑ کر عرب اور مصر کے فاسقوں کا اتباع کرنا کہاں کی دین داری اور سمجھ داری ہے؟ کسی بھی ملک اور قوم کے افراد شریعت کی خلاف ورزی کر کے آخرت کے مؤاخذہ کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو کیا ان کی پیروی میں خود کو آخرت کی گرفت اور عذاب کے لیے پیش کرنا عقل مندی کے خلاف نہیں ہے؟

۷۰۔ اس کا جواب کہ ڈاڑھی میں ہی اسلام رکھا ہے: کچھ لوگ یوں کہتے ہیں کہ واہ صاحب! کیا ڈاڑھی ہی میں اسلام رکھا ہے؟ ڈاڑھی نہ رکھیں گے تو کیا اسلام سے نکل جائیں گے؟ یہ بھی جاہلانہ دلیل ہے۔ اسلام تو صحیح عقائد کا نام ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، عقیدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو کافر ہو جاتا ہے۔ فرائض و واجبات کے ترک کرنے یا کسی بھی صغیرہ و کبیرہ گناہ کے کرنے سے کافر نہیں ہوتا، بلکہ فاسق ہو جاتا ہے۔ فرائض و واجبات انجام نہ دیں اور گناہ کرتے رہیں، اور عذاب بھگتنے کے لیے تیار رہیں، یہ کوئی سمجھ داری کی بات نہیں ہے۔ اگر صرف عقیدہ کے طور پر مسلمان ہونا ہی مطلوب ہوتا تو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے بہت سے کاموں کے کرنے اور بہت سے کاموں کے نہ کرنے کے اَحکام کیوں نازل ہوتے؟ مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ عقیدہ بھی ٹھیک رکھیں اور اَحکام پر بھی عمل کریں، اگر جاہلوں کی بات پر چلے تو بس اسلام کا کوئی عمل بھی نہ کرے کیوں کہ بے عمل ہونے سے کافر تو ہوتا ہی نہیں۔

بات یہ ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ لوگ گناہ کر کے خوب عذاب کے مستحق بنیں، گناہ گاروں والی زندگی گزارتے ہوئے مر جائیں اور دوزخ میں جائیں۔ شیطان اپنی دشمنی سے کبھی باز نہیں آتا، وہ بدعملی پر مطمئن کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے سجھاتا ہے، اور جو لوگ نصیحت کرتے ہیں بدعملوں سے ان کو الٹے جواب دلواتا ہے۔

۷۱۔ اس دلیل کا جواب کہ ڈاڑھی والے دغاباز ہوتے ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی والے دغاباز ہیں، ٹٹّی [لمبی ڈاڑھی] کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں، اور ڈاڑھی والوں کے افعال خراب ہیں۔ کیا خوب دور کی کوڑی لائے! گزارش یہ ہے کہ ایک ڈاڑھی ہی پر کیا منحصر ہے، کیا نمازیوں میں غبن اور خیانت کرنے والے اور گناہوں میں مبتلا رہنے والے نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں! تو کیا نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیں گے؟ نماز تو خیر بعد کی چیز ہے اس سے پہلے ایمان ہے۔ کتنے لوگ ایمان کے مدعی ہیں، اپنے کو مؤمن و مسلم کہتے ہیں لیکن بڑے بڑے گناہوں میں بھی مبتلا ہیں، حرام بھی کھاتے ہیں، غبن اور خیانت بھی کرتے ہیں تو کیا خدانخواستہ ان لوگوں کی گناہ گاری کی وجہ سے اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اول تو سب ڈاڑھی والے بدعمل نہیں ہیں اور جو بدعمل ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ڈاڑھی رکھ کر، نیک اور پارسا بن کر اُمت کے سامنے آئیں، اور جو شخص یوں کہے کہ ڈاڑھی والے ایسے ویسے ہوتے ہیں اسے ڈنکے کی چوٹ سینہ تان کر جواب دیں کہ میں بھی ڈاڑھی والا ہوں، بتا میں نے کس کا حق دبایا ہے؟ اور کس کی خیانت کی ہے؟ جو لوگ ڈاڑھی رکھ کر دھوکہ دیتے ہیں وہ ہمارے ڈاڑھی نہ رکھنے سے گناہ نہ چھوڑیں گے، ہمارا ڈاڑھی مونڈنا اس مسئلہ کا حل نہیں ہے کہ ڈاڑھی والے گناہ گار ہیں لہٰذا ہم ڈاڑھی مونڈنے کے کبیرہ گناہ میں مبتلا رہیں۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر مسلمان خود بھی ڈاڑھی رکھے اور نیک بنے، اور جن ڈاڑھی والوں میں کوئی غفلت یا کوتاہی دیکھے یا چھوٹے بڑے گناہوں میں مبتلا پائے تو اچھے طریقہ پر نرمی کے ساتھ ان کو سمجھائے۔

۷۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے دوسرے کام کرلیں پھر ڈاڑھی بھی رکھ لیں گے: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کرنے کے بہت سے کام ہیں پہلے ان کو تو کرلیں ڈاڑھی کا بھی نمبر آجائے گا۔ یہ

تو ڈاڑھی منڈانے اور مونڈنے کی کوئی دلیل نہ ہوئی، کیوں کہ جتنے بھی دینی کام ہیں ڈاڑھی کے ساتھ ساتھ ہوسکتے ہیں۔ حضورِ اَقدس ﷺ نے جو ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں تو کوئی ترتیب نہیں ہے کہ پہلے اتنے کام کرلینا پھر ڈاڑھی رکھنا۔ شریعت کے حکم کو ٹالنا اور بے تکی باتیں کر کے شریعت کا باغی ہونا، اور یہ سمجھنا کہ ہم بے قصور ہیں، بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ ڈاڑھی ہو یا کوئی بھی دین کا کام ہو ان سب کاموں کو حکم شریعت کے مطابق انجام دینا لازم ہے، یہ پہلے اور پیچھے کی ترتیب کہاں سے آئی؟ شریعت کے ہر حکم پر عمل کرتے چلیں ایک حکم دوسرے حکم پر عمل کرنے سے نہیں روکتا، سب پر عمل کریں اور کٹ حجتی چھوڑیں۔

۷۳۔ اس کا جواب کہ دل صاف ہو اگرچہ ڈاڑھی منڈی ہو: بعض لوگ کہتے ہیں کہ دل صاف اور روح پاک ہونی چاہیے، باطن کی اصلاح کافی ہے۔ اگر ڈاڑھی مونڈی اور باطن اچھا رہا تو (نعوذ باللہ!) کچھ حرج نہیں۔

یہ لوگ دل کی اصلاح اور روح کی پاکیزگی اور باطن کی صفائی کا مطلب ہی نہیں سمجھتے، صرف الفاظ یاد کررکھے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے قلب کی اصلاح اور باطن کی پاکیزگی، اور باطن کی صفائی کا دعویٰ بالکل جھوٹا دعویٰ ہے۔ جس کا دل صاف اور باطن پاک ہو وہ تو صغیرہ گناہ سے بچنے کا بھی بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے، اور جو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو یا کسی بھی صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہو اور توبہ کرنے کے بجائے کٹ حجتی پر اتر آئے اس کا باطن کیسے صاف ہوسکتا ہے؟ جو شخص گناہوں میں ملوث ہو، کسی بھی گناہ سے اس کو رغبت ہو اس کا دل گندہ اور باطن ناپاک ہے، خواہ شیطان کے بجھانے سے پاکیزگی کا دعوی دار ہو۔

پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگر باطن کی صفائی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے کافی ہوتی تو نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم شریعت کے اَحکام پوری تفصیل کے ساتھ کیوں بتاتے؟ اور اَعضا وجوارح سے متعلق جو کام ہیں ان کا حکم کیوں فرماتے؟ اگر صرف دل کی صفائی سے کام چلتا تو بس پورے تئیس (۲۳) سال تک آپ یہی ارشاد فرماتے رہتے کہ قلب صاف کرو اور روح پاک کرو، نہ اعمالِ صالحہ بتاتے، نہ گناہوں سے بچنے کا حکم فرماتے بلکہ فرائض وواجبات کی تفصیل سے بھی آگاہ نہ فرماتے اور گناہوں کی فہرست سے بھی باخبر نہ فرماتے، اور سارا دین بس قلب کی

صفائی تک ہی محدود رہتا۔ بہانہ بازو! کچھ تو سمجھ سے کام لو۔

۷۴۔اس کا جواب کہ ڈاڑھی رکھ لی تو شادی کیسے ہوگی؟: بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ ڈاڑھی رکھیں گے تو شادی کیسے ہوگی؟ ڈاڑھی نہ رکھنے کا یہ بھی عجیب بہانہ ہے، ہم تو دیکھتے ہیں کہ لاکھوں افراد ڈاڑھی والے ہیں جن کی بیویاں موجود ہیں اور بڑے میل ومحبت سے رہتے ہیں۔ بیویوں کو شوہروں کی ڈاڑھیوں پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ بہت سی بیویاں تو ترغیب دے کر شوہروں سے ڈاڑھیاں رکھواتی ہیں، ہر سال لاکھوں نکاحوں کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، نکاح خواں نکاح پڑھاتے ہیں، ہزاروں دولہے ڈاڑھی والے ہوتے ہیں۔ آپ اپنی جگہ پختہ ہوں ان شاء اللہ شادی بھی ہوگی اور بہت اچھی بیوی ملے گی جو دین ودنیا کے لیے مفید وبہتر ہوگی۔

بات دراصل یہ ہے کہ لوگ دین دار عورت پسند نہیں کرتے، اسکولوں کالج کی پڑھی ہوئی چاہتے ہیں اور ڈپلوما والی تلاش کرتے ہیں، اس طرح کی عورتیں دین سے دور رہتی ہیں، نہ انہیں نماز سے رغبت ہوتی ہے اور نہ پردہ میں رہنا پسند کرتی ہیں، اور نہ شوہر کی ڈاڑھی کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ اگر خود بھی دین دار ہوں اور دین دار عورت تلاش کریں تو ڈاڑھی کی وجہ سے شادیوں میں کبھی رکاوٹ نہ ہو۔ بعض لوگ نماز، روزہ کے پابند ہوتے ہوئے بھی اسکول، کالج کی فیشن ایبل لڑکی تلاش کرتے ہیں، جب نکاح ہوجاتا ہے اور وہ اپنے پنجے نکالتی ہے تو میاں صاحب کو پتہ چلتا ہے کہ کس مصیبت میں گھر گئے۔ دین دار عورت تلاش کرو ان شاء اللہ فرماں بردار بھی ہوگی، خدمت بھی کرے گی، صابر وشاکر بھی ہوگی۔ جب دین دار عورت پسند نہیں تو وہی ہوگا کہ بیوی اس پر بھی راضی نہ ہوگی کہ اپنے کو بیوی کہلائے، وہ کہے گی میں تو فرینڈ ہوں، اور فرینڈ والے طریقوں سے پیش آئے گی اور بجائے بیوی کے خود شوہر بنے گی، اور شوہر صاحب پارکوں میں اس کے پیچھے پیچھے بچے کو لیے گھوما کریں گے۔

سمجھ کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرد کی ڈاڑھی ہو، بچہ ماں اور باپ میں فرق کرسکے، اور دونوں میں سے جس کے پاس سوئے ہاتھ پھیر کر پتہ چلالے کہ میں کس کے پاس سو رہا ہوں۔ اگر والد والدہ دونوں کا چہرہ صاف ہو تو وہ بے چارہ کیا امتیاز کرے گا؟

۷۵۔اس کا جواب تمہارے کہنے سے ڈاڑھی کیوں رکھوں؟: بعض لوگوں سے جب ڈاڑھی رکھنے کو کہا جاتا ہے تو جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ تمہارے کہنے سے ڈاڑھی کیوں رکھوں؟ مجھے رکھنی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی وجہ سے رکھوں گا۔ یہ عجیب جاہلانہ جواب ہے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ڈاڑھی رکھنے والے ہوتے تو جب سے ڈاڑھی نکلی ہے اسی وقت سے رکھ لیتے، اور ڈاڑھی رکھی ہوئی ہوتی تو کسی کو اس بارے میں نصیحت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اب اگر کسی نے آپ کی دینی ذمہ داری بتادی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلنے کی یاد دہانی کر دی تو اس پر ناراض ہونے کے بجائے اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کیا وہ یہ کہتا ہے کہ میرے کہنے سے رکھ، وہ بھی تو شریعت کا حکم یاد دلا رہا ہے۔ شریعت میں تبلیغ اسی لیے رکھی گئی ہے کہ عُلَما و صلحا تبلیغ کریں، اور مسلمانوں کی دینی ذمہ داری یاد دلائیں اور مسلمان اس پر عمل کریں، تبلیغ اس لیے تو نہیں ہے کہ جو شخص تبلیغ کرے اور دینی بات بتائے الٹا اس کی تبلیغ کے خلاف چلیں اور حق قبول کرنے سے انکار کریں۔

۷۶۔اس بات کا جواب کہ ڈاڑھی رکھ لی تو ملازمتیں نہ ملیں گی: کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں ابھی امتحانات دینے ہیں اور نوکریاں کرنی ہیں، اگر ڈاڑھی رکھ لیں تو امتحان کیسے دیں گے اور ملازمتیں کیسے ملیں گی؟ ان لوگوں کی یہ بات عجیب ہے۔ امتحان میں کامیابی کا تعلق محنت کر کے جوابات صحیح لکھنے سے ہے۔ جو لوگ نمبر دیتے ہیں ان کے سامنے صورت نہیں ہوتی، انہیں کیا پتہ کہ جس نے جواب لکھا ہے وہ ڈاڑھی والا ہے یا بے ڈاڑھی والا۔ اور پتہ بھی ہو کہ یہ پرچہ ڈاڑھی والے نے لکھا ہے تو اچھے نمبروں سے پاس ہونے کے لائق ہوتے ہوئے کیا ممتحن فیل کر دے گا؟ ایسے ظلم کی اجازت آج تک کسی مملکت اور حکومت نے نہیں دی اور نہ کوئی ایسا کرتا ہے۔ رہا ملازمتوں کا معاملہ! تو اس کے بارے میں سکھوں سے ہی عبرت حاصل کر لینی چاہیے، وہ خوب بڑی بڑی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں اور امتحانات میں کامیاب ہوتے ہیں اور پھر انہیں ملازمتیں بھی ملتی ہیں، عہدے بھی ملتے ہیں، پولیس، فوج اور دوسرے محکموں میں اونچے عہدے حاصل کیے ہوئے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان کے کئی وزیر سکھ رہ چکے ہیں اور آج کل تو ہندوستان کا صدر بھی سکھ ہے ان کی بڑی ڈاڑھی نے ان کو عہدوں سے نہیں روکا۔

آخر یہ بھی کوئی بات ہے کہ سارا نزلہ آپ کی ہی ڈاڑھی پر گرے گا؟ ہم نے بہت سے ایسے مسلمانوں کو بھی دیکھا ہے جو بڑی بڑی ڈاڑھیوں والے ہیں اور مختلف محکموں میں بڑے بڑے عہدوں پر کام کرتے ہیں، ڈاڑھی کی وجہ سے کوئی بھی انہیں ملازمت سے نہیں نکالتا۔ جو کام لیتا ہے وہ محنت اور امانت ودیانت کو دیکھتا ہے، جس کی کارگزاری اچھی ہو سب اسے پسند کرتے ہیں۔ ڈاڑھی منڈے خیانت کرتے ہیں تو ان کو بھی نوکری سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ امریکہ کے ایک صدر کو بے عنوانی کی وجہ سے ہٹایا جاچکا ہے، ڈاڑھی مونڈنا اس کے کچھ کام نہ آیا۔ بات اصل وہی ہے کہ اپنا نفس راضی نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بہانے تراشتے ہیں ؎

تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

۷۷۔ بہت سے لوگ اقامتِ دین کے مدعی ہیں لیکن لمبی ڈاڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں:

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں دعوی ہے کہ ہم صالح اور متقی ہیں، امامتِ صالحہ کے لائق ہیں اور حقیقتِ تقوی سے متصف ہیں اور اقامتِ دین کے داعی ہیں، لیکن ان لوگوں کی ڈاڑھیاں ذرا ذرا سی ہوتی ہیں بھرپور ڈاڑھی رکھنے سے بچتے ہیں۔ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اور گھنی ڈاڑھی انہیں پسند نہیں، جب ان کو کہا جاتا ہے کہ بڑی ڈاڑھی رکھو، اور حدیث وفقہ کی تصریحات کے مطابق کم ازکم ایک مشت ڈاڑھی ہونا لازم ہے تو بڑی ڈاڑھی والوں کا اور بڑی ڈاڑھی رکھنے کی تبلیغ کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور برملا کہہ دیتے ہیں کہ ہاں! بال ناپتے رہو اس سے اقامتِ دین کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

کیسا بھونڈا اور بے ہودہ جواب ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ جن لوگوں کو پسند نہیں وہ لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قائم کرنے چلے ہیں۔ آدھے تولہ ڈاڑھی کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتے اور پورے عالم کو دینِ اسلام پر چلانے کا بوجھ اٹھانے کو تیار ہیں۔ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہتمام سے حکم دیا کہ ڈاڑھیوں کو اچھی طرح بڑھاؤ، لیکن اقامتِ دین کے داعی فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی اپنے کو عملِ صالح اور تقوی سے متصف سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے صریح احادیث کے خلاف یہ فتویٰ جاری کیا ہے کہ ڈاڑھی بس اتنی سی کافی ہے کہ دور سے ڈاڑھی نظر آجائے۔ چوں کہ نفس کو نبوی ڈاڑھی گوارا نہیں اس لیے اپنی طرف سے

غیر شرعی فتوے دے کر اپنے نفسوں کو مطمئن کر لیتے ہیں کہ ہم نیک اور صالح ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک حضورِ اقدس ﷺ کا طرزِ زندگی اور آپ کا اتباع اختیار کر کے دین قائم نہ ہوگا تو بلکہ بے پڑھے نام نہاد مفتیوں کے فتووں سے دین قائم ہوگا جو نہ حدیث وفقہ پڑھتے ہیں اور نہ فتوے کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں۔ طریقۂ رسول اللہ ﷺ سے روگردانی، اور دعویٰ تجدیدِ دین اور اقامتِ دین اور امامتِ صالحہ کا؟ فَیَا لَلْعَجَبْ!

خاتمۃُ الکلام

اب ہم اس رسالہ کو ختم کرتے ہیں، بے عملی کے حیلے اور بہانے اور جھوٹی دلیلیں اور بے تکی باتیں جو لوگوں سے سنیں، اور جن علاقوں میں رہنا سہنا ہوا وہاں کے لوگوں سے جو معلوم ہوئیں ان میں سے جو باتیں یاد آتی چلی گئیں وہ ہم نے اس رسالہ میں جمع کر دی ہیں اور ان کا باطل ہونا بھی ظاہر کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ خدا جانے اور کتنے حیلے اور بہانے ہوں گے جنہیں مختلف علاقوں میں لوگوں نے اپنی بے عملی کا ذریعہ بنا کر رکھا ہوگا، ان سب کا باطل ہونا انہیں جوابات میں غور کرنے سے ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا جو ہم نے اس رسالہ میں لکھ دیے۔ جوابات تو فروعی باتوں کے ہیں لیکن اثنائے بیان میں ایسی اصولی باتیں الحمد للہ! زیرِ قلم آ گئی ہیں جن کو سامنے رکھ کر دوسرے حیلوں اور بہانوں کے جوابات بھی دیے جا سکتے ہیں۔

جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں ان سے درخواست ہے کہ گناہوں کو چھوڑیں اور نفس کو ان کے چھوڑنے پر آمادہ کریں۔ آخرت کی فکر کریں، اور موت کے بعد کا مراقبہ کریں۔ یہ زندگی چند روزہ ہے ختم ہو جائے گی، آخر مرنا ہے اور قبر کے پیٹ میں جانا ہے، پھر میدانِ آخرت میں حساب دینا ہے۔ نفس کو سمجھا بجھا کر گناہ چھوڑنے پر آمادہ کریں اور گناہوں سے توبہ کریں۔ اگر کم ہمتی کی وجہ سے نفس جلدی قابو میں نہ آئے اور سب گناہ چھوڑنے میں دیر لگے تو آہستہ آہستہ یکے بعد دیگرے گناہوں کو ترک کرتے جائیں اور اپنے کو گناہ گار سمجھتے ہوئے اِستغفار کرتے رہیں۔ نفس وشیطان کے سمجھائے ہوئے حیلوں اور بہانوں کو سامنے رکھ کر اپنے کو آخرت کے مواخذہ سے بری نہ سمجھیں اور گناہ گار ہوتے ہوئے اپنے کو نیک لوگوں میں شمار نہ کریں۔ درحقیقت گناہ

کا اقراری ہونا بھی بہت بڑی چیز ہے۔ جو گناہ کا اقراری ہوگا ان شاء اللہ کبھی تو توبہ کر ہی لے گا، اور جسے گناہ کا اقرار ہی نہ ہو وہ کبھی توبہ نہ کرے گا اور بغیر توبہ ہی مر جائے گا۔ بہانے شیطان اس لیے سجھاتا ہے کہ لوگوں کو توبہ کرنے کی توفیق نہ ہو، اپنے دشمن کو دشمنی میں کامیاب ہونے کا کبھی موقع نہ دیں اُسے رسوا کریں، اور اس کو کوششوں کو فیل کرتے رہیں۔

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ.
رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا. رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا. رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (آمین)
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ رُسُلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.